ہدیہ بخدمت عالیجناب معلی القاب امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد مد ظلہ العالی
از بندہ حقیر

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

اسلام اور حق خلع

(یعنی)

وہ مضامین جو مسئلہ خلع و طلاق کے متعلق وقتاً فوقتاً
اخبارات مقامی میں شائع کئے گئے تھے

(جنکو)

ضروری ترمیم کے بعد اس رسالہ میں جمع کر دیا گیا ہے

(از)

خاکسار ملا محمد عبد الباسط

دفعہ اول) (قیمت ۱ر ۱۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قانون
حقوق ازدواج اہل اسلام
اور
اس کی ضرورت

تمہید پچھلے دونوں اخبارات مقامی میں مسودۂ قانون حقوق ازدواج اہل اسلام مرتبہ مولوی خلیل الزماں صاحب بیرسٹرایٹ لا شائع ہوا تھا جس کے متعلق یہ خبر بھی درج تھی کہ حیدرآباد کے علماء کی کمیٹی اس قانون کے مالہ وما علیہ پر غور کر رہی ہے۔

یہ امر موجب مسرت ہے کہ ہماری مجلس وضع قوانین کے ارکان برٹش انڈیا کے قوانین کے تتبع و تقلید سے ایک قدم آگے بڑھا کر ایسے قوانین کی وضع و ترتیب کی جانب بھی متوجہ ہو رہے ہیں جو ملک کے حالات کے لحاظ سے موزوں اور خاص اہمیت رکھتے ہیں نیز یہ امر بھی کچھ کم مسرت انگیز نہیں ہے

تھا، اور اخبارات میں متفرق طور پر شائع ہو چکا تھا اسکو ایک جگہ جمع کر کے شائع کر دیا جائے کیونکہ ان مضامین میں اس مسئلہ کے اصولی اور اجمالی تمام مباحث آگئے ہیں اور ایک معمولی سواد کے مسلمان کو یہ تحریرات امید ہے ایک بڑی حد تک مطمئن کرنے کے لئے کافی ہوں گی۔

اس عرصہ میں ہندوستان میں بھی اس مسئلہ نے خاص اہمیت پیدا کر لی اور بعض مقامات کے ممبران لیجسلیٹو کونسل نے اسکے متعلق بعض مسودات قانونی بھی پیش کئے ہیں ایک حالیہ اطلاع سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں صورت حال بہت نازک ہو گئی ہے فسخ نکاح کی مجبوریوں نے وہاں کی عورتوں کو راہ ارتداد اختیار کرنے پر اس قدر مجبور کر دیا ہے کہ پہلے جہاں ایسے دو ایک واقعات کبھی کبھار رونما ہوتے تھے اب وہاں وبا کی طرح عام طور پر یہ مرض پھیلتا جا رہا ہے۔

اس سے بڑھ کر کسی قوم کی بدبختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ باوجود احکام مذہبی میں چارہ کار موجود ہونے کے بعض تنگ نظر علماء کی غلط تعبیر سے جو محض ماحولی اثرات کا نتیجہ اور غیر اسلامی ذہنیت کا کرشمہ ہے مسلمان اس مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

خوشی کی بات ہے کہ طبقہ نسواں کو بھی اپنے حقوق کا احساس پیدا ہو چلا ہے جیسا دیکھا جا رہا ہے کہ اس حق کے مطالبہ میں عام طور پر عورتیں نئی آواز بلند کرنے لگی ہیں ہندوستان کے اکثر اخبارات اور رسالجات میں اس مسئلہ پر بحث کیا جا رہا ہے ایک خاتون صاحبہ نے حال ہی میں بمبئی سے خلع نمبر شائع کیا اور عام طور پر پسند کیا اور باخبر مسلمانوں کا ایک گروہ بیشتر عورتوں کو انکا اسلامی حق دلانے کی تائید میں ہے۔

یہ نہایت مبارک آثار ہیں لیکن ضرورت ہے کہ جلد سے جلد قانون باقاعدہ حکومت کے ذریعہ عورتوں کے اس حق کو تسلیم کر لیا جائے تاکہ ہماری گھریلو زندگی میں اس حق کے تسلیم نہ کرنیکی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کا انسداد و ارتفاع ہو۔

جالنہ (مملکت نظام سرکار عالی)
۲۹ نومبر ۱۹۳۴ء

محمد عبد الباسط

سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے کوئی فدیہ دینے کی ضرورت نہیں ہے
جو قانون مولوی خلیل الزماں صاحب نے وضع فرمایا ہے وہ خلع کی
بعض مخصوص صورتوں پر مشتمل ہے۔ اگر اس حد تک بھی یہ قانون نافذ ہو جائے تو
بہت سی معاشرتی خرابیوں کا انسداد ہو جائے جس کا موجودہ حالات میں کوئی
علاج نہیں ہے اور عدالتیں اس کی چارہ سازی سے عاجز و قاصر ہیں اور اس
کی وجہ سے مسلمان خاندانوں کی گھریلو زندگی حد درجہ افسوسناک اور
مصیبت انگیز ہو گئی ہے۔

طلاق ہو یا خلع اس چارۂ کار کو شریعت اسلامی میں محض ناگزیر صورتوں
میں اختیار کرنے کی اجازت ہے جہاں طلاق کے لئے "ابغض المکروہات"
کی وعید ہے وہاں خلع کے لئے "المختلعات ھن المنافقات" کی تہدید
ہے۔

یہ دونوں چارۂ کار محض اس صورت میں اختیار کئے جا سکتے ہیں یا
جب کہ معاشرت بالمعروف نہ ہو سکتی ہو اور "حدود اللہ" کو باقی نہ
رکھا جا سکتا ہو۔ نکاح کے فرائض و واجبات کو قرآن کریم میں جا بجا "حدود اللہ"
سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کو عام معاملات و معاہدات سے بہتر و بالاتر
قرار دیا گیا ہے اگر عورت پر ایک ذمہ داری عائد کی گئی ہے تو مرد کو
کئی ذمہ داریوں کا پابند کیا گیا ہے۔ اگر مرد اپنی ان ذمہ داریوں کو محسوس

کہ علماء وقت اس قانون کے متعلق غور و فکر کر رہے ہیں اور اظہار رائے کرنے والے ہیں۔

قانون حقوق ازدواج اہل اسلام مسلمانوں کے موجودہ معاشرتی حالات کے لحاظ سے ایک نہایت ضروری اور مفید قانون ہے جس کے نفاذ کی ضرورت کو ایک مدت سے عام طور پر مسلمان محسوس کر رہے ہیں اور ہندوستان کے علماء کا ایک کثیر حصہ اس ضرورت پر متفق ہو چکا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام نے عورت کے حقوق کی حفاظت کے لئے اس کو ایک مستقل حق انفساخ نکاح کا بہ شکل "خلع" عطا کیا ہے لیکن دور آخر میں اس حق کو محض بہ صورت رضامندی شوہر تسلیم کیا گیا ہے حالانکہ اس مسئلہ پر اگر اصولی نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی تحدید و تقیید کی کوئی بنیاد پائی نہیں جاتی۔

نکاح ایک معاہدہ شرعی ہے جو عاقدین کی رضامندی سے منعقد ہوتا اور انہی کی رضامندی سے باقی رہ سکتا ہے لیکن شریعت اسلامی نے مالی مضرت سے محفوظ رکھنے کے لئے فسخ نکاح کا سررشتہ مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے اور عورت کو خلع کا حق اسی صورت میں دیا ہے جب کہ وہ شوہر کو اس کا دیا ہوا مال واپس کر دے یہ محض اس صورت میں جب کہ مرد کی کوئی ظلم و زیادتی نہ پائی جائے ورنہ ظلم و زیادتی کی صورت میں عورت کو مرد

نکاح کی ہے اور "لا مشاحۃ فی الاصطلاح" کے مقولہ پر عمل کر کے اسکو طلاق ان لیا جائے تو پھر ظہار لعان وغیرہ کو بھی طلاق کی قسم قرار دینا پڑے گا حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں فقہ کی کتابوں میں ان کو علیحدہ علیحدہ عنوان کے تحت بیان کیا جاتا ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ انفساخ نکاح کی جداگانہ اشکال ہیں۔

یہ مسئلہ ایک حد تک مسلمہ ہے کہ خلع انفساخ نکاح کا وہ حق ہے جو شریعت اسلامی نے خاص طور پر عورت کو دیا ہے۔ البتہ وہ بہ چند شرائط مخصوص ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس میں مرد کے حقوق کی اس حد تک حفاظت کی گئی ہے کہ وہ بلا وجہ مالی مضرت نہ اٹھانے پائے۔

خلع کے لغوی معنی چھڑا لینے اور علیحدہ کرنے کے ہیں۔ جب عورت اپنے آپ کو معاوضہ دے کر رشتہ نکاح سے علیحدہ کرے تو اسکو اصطلاحاً "خلع" کہتے ہیں اور یہہ ظاہر ہے کہ یہہ عورت کا حق ہو سکتا ہے نہ مرد کا۔

یہہ صحیح ہے کہ طلاق کے لئے مرد پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے اور اس کے لئے مرد کو عدالتی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں ہے لیکن عورت کو جب کہ مرد خلع پر رضامند نہ ہو تو عدالتی چارہ جوئی کی ضرورت ہے اور وہ بطور خود رشتہ نکاح کو توڑ نہیں سکتی عدالت

کریں تو ان کو اپنی فضیلت و فوقیت پر جن کا اظہار بسا اوقات ناز و تبختر کے ساتھ کیا جاتا ہے، کچھ زیادہ خوش ہونا نہیں پڑے گا کیونکہ درحقیقت ایسے کتنے مرد ہیں جو اپنی ان ذمہ داریوں کو ادا کر کے حقیقی طور پر مرد کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

اس قانون کے متعلق ایک مضمون حال ہی میں اخبار رہبر دکن کے کالموں میں شائع ہوا ہے مضمون نگار صاحب کے تبحر علمی اور روشن خیالی سے نیز اس طول طویل تمہید سے جو نفس مسئلہ پر اظہار خیال سے پہلے بطور دیباچہ سپرد قلم فرمائی گئی ہے امید تھی کہ وہ اس مسئلہ پر اصولی اور محققانہ نظر ڈالیں گے اور مسلمانوں کی موجودہ معاشرت میں عورت کے اس حق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں اس کا کوئی صحیح علاج تجویز فرمائینگے لیکن انہوں نے اس مسئلہ کو ایک محدود زاویۂ نگاہ سے دیکھا ہے اور اگر گستاخی تصور نہ فرمائی جائے تو ایک حد تک عصبیت مذہبی سے بھی کام لیا ہے اور جو تجویز اختتام فرمائی ہے وہ حالات زمانہ کے لحاظ سے، جہاں تک غور کیا جاتا ہے ناقابل عمل ہے۔

بعض امور اس مضمون میں ایسے تحریر فرمائے گئے ہیں جو غور و فکر کے محتاج ہیں مثلاً یہ کہ خلع بھی طلاق ہی کی ایک قسم ہے حالانکہ فقہ حنفی کی کسی کتاب میں خلع کو طلاق کی قسم نہیں قرار دیا گیا اگر طلاق سے مراد انفصال

فقہائے حنفی و شافعی وغیرہم میں جو کچھ اختلاف ہے وہ حکمین کے اختیار کے متعلق ہے یعنے جب زن و شوہر کے معاملات کی اصلاح کے لئے حکم (ثالث) مقرر کئے جائیں تو وہ ایسی حالت میں جب کہ کوئی موافقت کی صورت پیدا نہ ہوسکے دونوں میں تفریق کرا سکتے ہیں یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ثالث کو ایسا اختیار اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا جب تک کہ صراحتاً یہ اختیار تفویض نہ کیا جائے۔ برخلاف دیگر ائمہ کے بہ ظاہر امام صاحب کی رائے حق بجانب معلوم ہوتی ہے۔

موجودہ زمانے میں بہت سی اشکال ایسی پیدا ہوسکتی ہیں کہ قاضی شوہر کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرسکتا مثلاً اگر کوئی شخص حدود سرکار عالی چھوڑ کر برٹش انڈیا میں چلا جائے تو اس صورت میں عورت اپنے حق خلع سے محروم رہ جائے گی۔ لہٰذا خلع کے لئے قاضی کے اس اختیار کو تسلیم کرنا اصولاً اور حالات زمانہ کے لحاظ سے ضروری ہے۔

راقم الحروف کو قانون مجوزہ کی بعض دفعات سے اختلاف ہے جن کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس کی بعض دفعات قطعاً قابل ترمیم ہیں جیسا کہ دفعہ (۵) کے متعلق مضمون نگار صاحب کا خیال ہے لیکن نفس قانون کی ضرورت اور اہمیت کے متعلق کوئی کلام نہیں ہوسکتا اور راقم بہ ادب تمام اس رائے

بطور خود بلا رضامندی شوہر عورت کے اس حق کو نافذ کر سکتی ہے یا نہیں یہہ مسئلہ البتہ مابہ البحث ہے اور اسی کے لئے اس قانون کو وضع کرنے کی ضرورت داعی ہوئی ہے۔

کہا جاتا ہے قاضی کو فقہ حنفی کی رو سے مرد کو مجبور کرنا چاہیئے کہ وہ عورت کو طلاق دے دے اور اس کے لئے تعزیری قانون وضع کرنا چاہیئے۔ نفس مسئلہ میں مضمون نگار صاحب کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ان صورتوں میں جن کو قانون ہیں واضح کیا گیا ہے عورت کو خلاف رضامندی شوہر خلع کا حق حاصل ہے مضمون نگار صاحب صرف یہہ کہتے ہیں کہ قاضی بطور خود منجانب شوہر اس حق کو نافذ نہیں کر سکتا۔ بلکہ مرد کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ طلاق دیدے اس سے نفس بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور غرض وضع قانون کی حاصل ہو جاتی ہے جو محض یہ ہے کہ عورت اپنے حق خلع کو بلا لحاظ رضامندی شوہر حاصل کر سکے

لیکن مطلقاً یہہ کہنا کہ قاضی کو فقہ حنفی کی رو سے فسخ نکاح اور تفریق کا اختیار حاصل نہیں ہے قابل غور و تامل ہے کیونکہ دوسرے بہت سے مسائل میں فقہ حنفی نے قاضی کے اس اختیار کو تسلیم کیا ہے۔ خود اشکال تفریق کی اس فہرست میں جو ان مابہ البحث مضمون کے آخر میں دی گئی ہے قاضی کا یہہ اختیار مستنبط ہوتا ہے پھر خلع کی صورت میں اس اختیار کو تسلیم نہ کرنے کی بہ ظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

حق خلع

خلع عورت کا حق ہے۔

فقہ حنفی[ا] کی کتابوں میں باب الخلع کے تحت جو مسائل درج کئے گئے ہیں اُن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہا نے خلع کو خاص عورت کا حق تسلیم کیا ہے اور اور اس کا نفاذ محض اس کی مرضی اور اختیار پر منحصر رکھا ہے اور یہ طلاق سے علحدہ ایک جداگانہ شکل انقطاع عقد نکاح کی ہے چنانچہ طلاق علی مال یعنی وہ طلاق جو مال کے عوض میں دی جائے اس کو خلع سے ممتاز کیا گیا ہے درالمختار کی عبارت ہے "وبِلَفظِ الخلعِ خَرَجَ الطَّلَاقُ عَلیٰ مَالٍ فَاِنَّهُ غیرُ مُسقِطٍ" یعنی لفظ خلع سے طلاق علی مال کی شکل ممتاز ہوجاتی ہے کیونکہ اس سے رشتہ

[ا] یہ مضمون اخبار رہبر دکن مورخہ ۲۸ شوال المکرم ۱۳۵۶ھ م ۱۲ فروردی ۱۳۴۷ ف میں بعنوان "حق خلع" شائع ہوا ہے۔

سے اختلاف کرنے پر مجبور ہے کہ احکام فقہ کی موجودگی میں اس قانون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ملک کے معاشرتی حالات اور موجودہ تعامل فقہاء اس امر کا مقتضی ہے کہ تمام علماء کی متفقہ تائید سے جلد سے جلد بعد اصلاحات و ترمیمات ضروری اس اہم مسودۂ قانون کو عملی جامہ پہنایا جائے
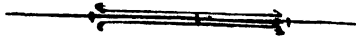
کہ اس قانون یا اس حق کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے کتنی عورتیں ایسی ہیں جو "معلقہ" ہو گئی ہیں۔ کتنی ایسی ہیں جو نان و نفقہ سے محروم اور شوہروں کی بے توجہی اور ظلم و زیادتی کی شکار اور مصیبت اور رنج و اندوہ کی زندگی گزار رہی ہیں اور اس سے آیندہ نسلوں پر جو مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہ کیسے اندوہناک اور الم انگیز ہیں۔

سنا گیا ہے کہ بعض حضرات اس قانون کے متعلق بیرونی ممالک سے فتوے طلب کر رہے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ یہہ کونسا لاینحل مسئلہ ہے جس کے متعلق بیرونی اشخاص کی امداد حاصل کی جارہی ہے۔ کیا اس کے حل کرنے کے لئے ہمارے یہاں کے علماء کافی نہ تھے؟ بیرونی ممالک کے علماء کو یہاں کے علماء پر کیا طرۂ امتیاز حاصل ہے اور وہ یہاں کے حالات اور ضروریات کا کیا علم رکھتے اور کس طرح یہاں کے علماء کی بہ نسبت بہتر رائے دے سکتے ہیں حضرات مذکور کی آگاہی کے لئے عرض کیا جاتا ہے کہ مصر و شام میں آج سے تقریباً ۲۰ - ۲۵ سال قبل اس قسم کے قوانین مرتب ہو چکے ہیں آیندہ بہ شرط ضرورت یہ مواد پیش کر دیا جائے گا۔

حیدرآباد کے تمام علماء سے خصوصاً اور تعلیم یافتہ اور سمجھ دار مسلمانوں سے عموماً استدعا ہے کہ وہ اس مسئلہ پر بحیثیت شوہر کے نہیں بلکہ بحیثیت باپ اور بھائی کے غور کریں اور دیکھیں کہ خدا کی دایمی شریعت

اور صاف ہیں کہ اس غلط مسئلہ کو ایمہ اعلام کی جانب منسوب کرنا ایک بیجا جراٗت ہوگی۔ انشاء اللہ آئندہ کسی صحبت میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی جائے گی۔

موجودہ ضرورت

دیگر اسلامی ممالک میں عورت کو اپنے اس حق کے حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہے وہاں مرد کے خلع سے انکار کرنے کی شاید ہی کوئی صورت پیش آئی ہو کتب فقہ میں اس قسم کے کسی مسئلہ کا عدم وجود خود اس امر کی دلیل ہے کہ ایسے اشکال ممالک اسلامی میں ناپید تھے لیکن ہندوستان میں کچھ تو ہمسایہ اقوام کے رسم و رواج اور زیادہ تر گراں ترین مہر باندھنے کی وجہ ہے جس کے ادا کرنے کی إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ کسی کی نیت ہوتی ہوگی ورنہ عام طور پر بطور رسم اور برائے نام مہر باندھا جاتا ہے۔ عورت کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جا رہا ہے عملی طور پر مسلمان عورت اس بارۂ خاص میں اپنی ہمسایہ ہندو عورت سے کچھ زیادہ بہتر حالت میں نہیں ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اخلاقی حالت کو سدھارنے اور اس کو خلیع العذاری سے روکنے کے لئے کوئی دباؤ اخلاقی یا قانونی نہیں ڈال سکتی جس کی وجہ سے عرف عام میں مرد کے لئے ہر ایک برائی جائز اور ہر قسم کی بدکاری مباح سمجھی جانے لگی ہے۔ اور خانگی نظام معاشرت دن بدن تباہ ہوتا جا رہا ہے۔ اگر کسی شخص کو اس بیان کی صداقت مطلوب ہو تو زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنے محلہ کی عورتوں اور ان کے شوہروں کی حالتوں کا محاسبہ کرے اور دیکھ لے

اسلام اور حق خلع

غلط فہمی کا ازالہ مجھے افسوس کے ساتھ ظاہر کرنا پڑتا ہے کہ میری گزشتہ تحریرات سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں یا پیدا کی جا رہی ہیں جس کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں مناسب ہے کہ بعض ان دلائل و وجوہ کو بھی ظاہر کر دیا جائے جو اس مسئلہ کے متعلق رائے قائم کرنے سے پہلے میرے پیش نظر تھے میں نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ عورت اپنے شوہر سے بطور خود خلع کر سکتی یا بقول شخصے اس کو طلاق دے سکتی ہے میں نے اپنے ابتدائی مضمون میں صاف صاف لکھ دیا ہے:۔

"طلاق کے لئے مرد پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی ہے

۱؎ یہ مضمون اخبار رہبر دکن کی اشاعت ۱۰، ۱۱ و ۱۲ ذیقعدہ ۱۳۵۲ھ م ۲۴، ۲۵ و ۲۶ فروردی ۱۳۴۳ف میں مسلسل شائع ہوا تھا جس میں خفیف سی ترمیمات کر دی گئی ہیں جہاں جہاں خطاب خاص تھا اسکو عام کر دیا گیا۔

کا دیا ہوا حق عورتوں کو دے کر کس حد تک وہ قوم اور ملک اور
آیندہ نسلوں کی خدمت اور اصلاح اور حفاظت کر سکتے ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ایک مستند کتاب ہے۔ استناد کیا تھا اور اپنی تائید میں علامہ ابن تیمیہ کے قول کو نقل کیا تھا۔ لیکن درمختار کو فتاوی کی کتاب کہ کر نظر انداز کیا گیا اور ابن تیمیہ سے اس بناء پر اعتراض کیا گیا کہ وہ حنبلی یا اہل حدیث ہیں جن کا قول کسی حنفی کے پاس قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ یہہ ایک جداگانہ بحث ہوگی کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصانیف کی وقعت علمائے امت کے پاس کہاں تک ہے اور وہ ان کے اقوال و آرا کو کس نظر سے دیکھتے ہیں لیکن درمختار کی سند سے انکار کرنے کی کوئی وجہ میری ناقص سمجھ میں نہ آئی حالانکہ آج کل تمام مقلدین احناف کا دارومدار اسی کتاب پر ہے۔

کیا خلع طلاق کی قسم ہے

یہہ بحث ایک حد تک فنی ہوگئی ہے اور عام ناظرین کو شاید اس خشک بحث سے دلچسپی نہ ہو۔ نیز یہہ اصل موضوع سے ہمکو دور ڈال دے گی۔ اس لئے میں اس خصوص میں کچھ زیادہ لکھنا نہیں چاہتا۔ اہل علم خود اس امر کا فیصلہ کریں گے کہ یہہ ادعا کہاں تک حق بجانب ہے لیکن مختصراً اسقدر عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلع کو طلاق کی قسم قرار دینے کے لئے ان شرایط کا اس میں پایا جانا ضروری ہے جو طلاق کے لئے از روئے احکام فقہ مخصوص ہیں حسب ذیل امور جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں درج ہے خلع کو طلاق سے بالکل ممتاز اور جدا کر دیتے ہیں

(۱) طلاق میں کسی ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں ہے لیکن خلع

اور اس کے لئے مرد کو عدالتی چارہ جوئی کی ضرورت
نہیں ہے، لیکن عورت کو جب کہ مرد خلع پر رضامند نہ ہو
تو عدالتی چارہ جوئی کی ضرورت ہے اور وہ بطور خود
رشتۂ نکاح کو توڑ نہیں سکتی۔"

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس تصحیح کے بعد کیونکہ میری تحریر سے :
تبادر ہوتا ہے کہ خلع عورت کے چھوڑنے کا نام ہے اور زوجین ہر وقت
جب چاہیں ایک دوسرے کو چھوڑ سکتے ہیں۔ میری تحریر کا مقصد صرف اسقد
ہے کہ اسلام میں طلاق کے متعلق مرد کے اختیارات غیر محدود ہیں اور اگر عورت
نکاح کو فسخ کرانا چاہے تو اس کو قاضی کے پاس رجوع ہونا پڑے گا
اور اگر وہ "حدود اللہ" یا نکاح کے واجبات و فرایض کو قایم و برقرا
نہیں رکھ سکتے تو وہ ان میں طلاق یا خلع کے ذریعہ یا بطور خود تفریق کرا
اس کے لئے عورت مرد کی رضامندی کی محتاج نہیں ہے اور قاضی کے ذری
اس کو ما قد کرا سکتی ہے شریعت نے بصورت خلع عورت کو ایک خاص
حق دیا ہے جس کو وہ بشرط ضرورت کام میں لا سکتی ہے لیکن کہا جاتا ہے
کہ خلع عورت کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور یہ طلاق ہی کی ایک قسم ہے ا
اس سے زیادہ تر مرد ہی کے حق کی حفاظت کی گئی ہے۔

میں نے اپنے مضمون میں درمختار کی عبارت سے جو فقہ حنفی کی

حقیقی طور پر طلاق بائن کی قسم نہیں ہو سکتی چنانچہ اسی بنا پر باب الطلاق کے ضمن میں کسی فقہ کی کتاب میں خلع کے مسائل نہیں لکھے گئے۔

اگر خلع کو عورت کا حق تسلیم نہ کیا جائے تو پھر شریعت اسلامی میں عورت کے لئے کوئی دوسرا چارہ کار فسخ نکاح اور اپنے حقوق کی حفاظت کا باقی نہیں رہتا اور غالباً خلع کو طلاق کی قسم قرار دینے والوں کا منشا یہی ہے کہ عورت کے اس حق سے اس شکل میں انکار کیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس خصوص میں عورت کا حق صرف اسقدر ہے کہ وہ مرد سے صرف درخواست خلع کر سکتی ہے۔ مرد کو اختیار ہے کہ اوس کی درخواست کو منظور کرے یا نہ کرے، لیکن اگر صرف درخواست کرنا ہی ایک حق ہے تو پھر طلاق بالعاوضہ کی درخواست بھی کر سکتی ہے۔ خلع کے مسئلہ سے اس حق میں ایسا کونسا اضافہ ہوا جو قابل لحاظ ہو سکے۔ حق وہی شئے ہے جس کو کوئی شخص نافذ کرا سکے جس حق میں یہہ قوت نہ ہو وہ حق کی تعریف سے خارج ہے۔

قرآن مجید اور احکام متعلق حقوق ازدواج

قرآن مجید میں حقوق ازدواج کے متعلق جس قدر تفصیل اور بسط و شرح کے ساتھ آیات وارد ہوئی ہیں اس طرح کسی اور مسئلہ کے متعلق وارد نہیں ہوئیں۔ ان تمام آیات کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رشتہ نکاح کو باقی رکھنے

اس وقت تک نافذ نہیں ہوسکتی جب تک کہ مرد یا عورت اس کو قبول نہ کرے
یہہ ضروری نہیں ہے کہ خلع کی استدعا ہمیشہ عورت ہی کرے مرد بھی ایسی
خواہش کر سکتا ہے اور عورت کے قبول کرنے پر خلع نافذ ہوسکتی ہے۔
(۲) خلع کو فقہائے احناف نے عقود بیع وشرا پر قیاس کیا ہے
اور اکثر مسائل میں ان دونوں کا حکم ایک ہی ہے بخلاف طلاق کے۔
(۳) طلاق میں رجوع کا مرد کو حق ہے لیکن اس کے برعکس خلع میں عورت
کو رجوع کا حق دیا گیا ہے۔

میں اس امر کو تسلیم کرتا ہوں کہ فقہائے احناف کے پاس اثر اور حکم
کے لحاظ سے خلع "طلاق" "بائن" کی تاثیر رکھتی ہے لیکن کسی شئے کا اثر اور حکم
میں متحد ہونا اور بات ہے۔ اور اس کی قسم ہونا اور بات۔ اس کی مثال
یوں سمجھنی چاہئے کہ روزہ کھانا کھانے سے بھی ٹوٹ سکتا ہے اور پانی
پینے سے بھی۔ لیکن یہ دونوں تاثیر اور حکم کی وجہ سے ایک نہیں ہو گئے۔
بعض ایمہ نے اس کو محض فسخ نکاح کی ایک شکل قرار دی ہے اور اس
کی تاثیر اور حکم میں بھی اختلاف کیا ہے اور اس کو طلاق بائن نہیں قرار دیا۔
بعض احادیث کی بنا پر فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں خلع کو طلاق
بائن قرار دیا گیا ہے جس سے محض اس کی تاثیر کا اظہار مقصود ہے ورنہ
طلاق بائن اور خلع میں امور متذکرہ صدر کے لحاظ سے بین فرق ہے اور خلع

غرض نکاح بالفاظ قرآنی

غرض نکاح قرآن مجید میں بالفاظ ذیل ظاہر کی گئی ہے۔

وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْا اِلَیْہَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً

(ترجمہ) اور خدا کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے جوڑے پیدا کئے تمہاری ہی جنس سے تاکہ تم ان سے سکون و راحت حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و مرحمت پیدا کرے

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّجَعَلَ مِنْہَا زَوْجَہَا لِیَسْکُنَ اِلَیْہَا۔ (جزو تاسع آیت ۱۸۹)

یعنے خدا ہی نے تم کو ایک جنس سے پیدا کیا اور اسی سے تمہارا جوڑا بنایا کہ تم آرام و سکون حاصل کرو

اس سے ظاہر ہے کہ جب حالت ایسی پیدا ہو جائے کہ یہہ غرض باقی نہ رہ سکے تو یہ رشتہ بھی اسی قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو منقطع کر دیا جائے کیونکہ معاشرت بالمعروف بغیر باہمی مودت و محبت کے نہیں ہو سکتی۔ فطرت انسانی کے لئے یہ محال ہے کہ جب زوجین میں سے کوئی نفور و کارہ ہو اور حقوق و واجبات نکاح کی ادائی میں تقصیر کرے تو یہ رشتہ حسن معاشرت کے ساتھ قایم رکھا جا سکے۔

حسن معاشرت پر تمام احکام نکاح کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ چنانچہ احکام طلاق میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاکٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

میں جابجا بہ شد و مد اس امر کی تاکید اکید کی گئی ہے کہ یہ اگر باقی رکھا جائے
تو حسن معاشرت اور نیک سلوک اور اچھے برتاوے کے ساتھ باقی رکھا جائے
اور اگر اس امر کا ذرا بھی اندیشہ ہو کہ مرد یا عورت حسن معاشرت کے ساتھ
زندگی بسر نہیں کر سکتے تو یہہ رشتہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اس کو فسخ
کر دیا جائے البتہ عورت بطور خود اس حق کو نافذ نہیں کر سکتی۔ اس کو قاضی کے
پاس رجوع ہونا پڑے گا اور قاضی کے حکم سے رشتہ نکاح منقطع ہو سکے گا
اور قاضی بہ لحاظ احکام شریعت ان تمام مدارج ابتدائی کو طے کریگا
جو انقطاع عقد نکاح سے قبل لازمی قرار دئے گئے ہیں۔ شوہر کو شریعت نے
ہرگز یہہ حق نہیں دیا ہے کہ وہ باوجود عورت کی ناراضی اور نفرت و کراہت
اور خلاف و شقاق کے جبراً و قہراً اس کو اپنے حبالۂ عقد میں رکھے اور اپنی جائداد
منقولہ بنالے۔ جو لوگ یہہ عقیدہ رکھتے ہیں وہ کس منھ سے غیر اقوام اور غیر ادیان
کے سامنے یہ دعوے کر سکتے ہیں کہ اسلام میں عورت کو پوری آزادی حاصل
ہے اور اس کے حقوق مردوں کے مساوی قرار دئے گئے ہیں اور جو مرتبہ
عورت کو اسلام نے دیا ہے وہ آج تک کسی مذہب و ملت نے نہیں دیا
میں اعلان کرتا ہوں کہ اسلام اس عقیدہ اور اس طرز عمل سے بالکل بری ہے
اور مجھے امید ہے کہ محققین علماء اس میں میری ہمنوائی کریں گے۔ اور میں حسب
ذیل وجوہ اپنے دعوے کی تائید میں رکھتا ہوں۔

ضراراً لتعتدوا ومن یفعل ذالک فقد ظلم نفسہ

ترجمہ) اور جب عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی مدت کو پوری کر چکیں تو ان کو یا تو بھلائی کے ساتھ رکھو یا بھلائی کے ساتھ رخصت کر دو اور ان کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روک رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو اور جو شخص ایسا کرے تو اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔

فقہائے اربعہ نے اپنے مسائل اجتہادیہ کی بنیاد اسی اصول شرعی امسکوھن بمعروف ولا تضاروھن ولا تمسکوھن ضراراً پر رکھی ہے۔

عورت کو جائداد منقولہ بنانے سے ممانعت

ذیل میں ایک آیت ایسی درج کیجاتی ہے جسمیں عورتوں کو جبراً وقہراً رشتہ نکاح میں رکھنے اور ان کو جائداد منقولہ بنانے سے صراحتاً منع کیا گیا ہے۔

یا ایھا اللذین امنوا لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھاً ولا تعضلوھن لتذھبوا ببعض ما اتیتموھن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً ۵ سورہ نساء حزم ۴۔ رکوع ۱۴۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو نہیں حلال ہے تم کو کہ مالک بن بیٹھو تم عورتوں کے جبراً اور نہ روک رکھو ان کو تاکہ اینٹھ لو تم ان سے کچھ اس میں سے

(ترجمہ) طلاق دو مرتبہ دی جائے گی پھر یا تو بھلائی کے ساتھ روک رکھنا ہے یا عمدگی کے ساتھ رخصت کر دینا۔

(۲) تلک حدود اللہ فلا تعتدوھا ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظالمون

(ترجمہ) یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں پس ان سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کے حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

(۳) فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ فان طلقھا فلا جناح علیھما ان یتراجعا ان ظنا ان یقیما حدود اللہ وتلک حدود اللہ یبینھا لقوم یعلمون

(ترجمہ) پس اگر مرد نے عورت کو طلاق دیدی تو وہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرلے پس اگر اس نے طلاق دیدی تو ان دونوں پر گناہ نہیں ہے۔ اگر وہ رجوع کرلیں بشرطیکہ ان کو گمان غالب ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قایم رکھیں گے یہ اللہ کی حدیں ہیں جن کو وہ بیان کرتا ہے اس قوم کے لئے جو جانتے ہیں۔

(۴) واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن

ہونا چاہئے جس کا کوئی ثبوت ہو۔ محض مفروضہ اور خیالی اور ادعائی امر پر مردوں کو یہہ حق نہیں دیا گیا ہے۔

آیت خلع اور اسکی تشریح

خلع اور تفریق کے متعلق قرآن مجید میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ تعلقات زناشوئی کی مختلف حالتوں پر منطبق اور ان سے متعلق ہیں قبل اس کے کہ ان آیتوں اور ان حالتوں پر نظر ڈالی جائے یہ امر ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ لفظ خلع قرآن کریم میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ یہہ اصطلاح احادیث سے ماخوذ اور وضع کی گئی ہے قرآن مجید میں بجائے لفظ خلع کے "افتدت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) خلع سے متعلق مخصوص آیت حسب ذیل وارد ہوئی ہے

وَلَا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئاً الا ان یخافا الا یقیما حدود اللّٰہ فان خفتم ان لا یقیما حدود اللّٰہ فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ

(سورہ بقرہ جزء ۲ رکوع ۱۳)

(ترجمہ) اور نہیں حلال ہے تمہارے لئے کہ تم لے لو کوئی چیز جو دی ہے تم نے ان کو مگر یہہ کہ ان دونوں (زن و شوہر) کو اس بات کا خوف ہو کہ وہ اللہ کے حدود کو قایم نہیں رکھیں گے۔ پس اگر تم کو خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود کو قایم نہیں رکھیں گے

جو دیا ہے تم نے اون کو۔ مگر یہہ کہ سرزد ہو ان سے کوئی کھلی برائی
اور برتاؤ رکھو تم ان سے بھلائی کے ساتھ پس اگر وہ ناپسند ہوں
تم کو تو ممکن ہے کہ تم کسی ایسے شئے کو ناپسند کرو جس میں اللہ نے
تمہارے لیئے بہت کچھ بھلائی رکھی ہے۔
اس آیت میں لفظ ترثو اعجزانہ بلاغت رکھتا ہے اور وہ ان تمام اشکال
اور رسوم و رواجات گزشتہ و آیندہ پر حاوی ہے جس میں عورت جائیداد
منقولہ بنائی جاتی تھی یا بنائی جا سکتی ہے۔ لفظ وراثت عربی زبان میں ملکیت
کے معنے میں آیا ہے جیسا کہ قران مجید میں ایک دوسری جگہ وارد ہوا ہے
ان الارض یرثھا عبادی الصلحون
نیز اس کے معنی باقی رکھنے کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں
وارد ہے۔

اللھم امتعنی بسمعی وبصری واجعلہ الوارث منی
ای ابقہ معی حتی اموت

آیت مذکورہ بالا سے ظاہر ہے کہ مرد عورت کو صرف اس صورت میں
روک سکتا ہے جب کہ اس سے کوئی فحش فعل یا نامناسب حرکت سرزد ہو تا کہ
وہ اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے سکے بہ صورت دیگر اس کو جبراً روک
رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے "مبینہ" کے لفظ سے مستنبط ہوتا ہے کہ فحش فعل ایسا

ولا المعع امرہ فیقبلہ خیفۃ ان یسیٔ الیھا ان امسکھا او یتعدی الحق۔

یعنی مجاہد کا بیان ہے کہ یہ آیت خلع کے بارے میں نازل۔

خلع کے ذریعہ مرد کو مال کا لینا اسی وقت جائز ہے جب کہ عورت اپنی نافرمانی کا اظہار کر دے۔ اس وقت مرد کو چاہیئے کہ عورت کی استدعاء خلع کو منظور کرے تاکہ رشتہ نکاح میں رکھ کر اس کے ساتھ کسی زیادتی کا مرتکب نہ ہو اور اس کے حق میں تعدی نہ کرے امام جریر طبری ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں

ان نشوزھا علیہ داعیۃ الی التقصیر فی واجبھا ومجازاتھا بسوء فعلھا بارود الک ھو المعنی الذی یوجب المسلمین الخوف علیھا الا یقیما حدود اللہ (طبری جلد (۶) صـ ۲۶۴)

یعنی عورت کا نشوز (نافرمانی) اس بات کی موجب ہوگی کہ شوہر عورت کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی کرے اور اس کے برے برتاؤ کا جواب برے برتاؤ کے ساتھ دے اور یہی وہ چیز ہے جس کا خوف مسلمانوں کو کرنا چاہیئے کہ مبادا اس طرح حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں

تو کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ اس بارے میں کہ عورت فدیہ
(دے کر رہائی حاصل کرے)
یہہ آیت اس صورت سے متعلق ہے جب کہ نشوز (کراہت و نافرمانی)
عورت کی طرف سے ہو اور اس میں مرد کا کوئی قصور نہ ہو اور اس امر کا اندیشہ
ہو کہ زن و شوہر حدود اللہ کو قایم نہ رکھ سکیں گے تو ایسی صورت میں مرد عورت
دونوں کو اجازت دی گئی ہے کہ مرد عورت سے اپنا دیا ہوا مال لے کر اس کو
علحدہ کر دے۔ امام جریر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں جو روایات نقل کی ہیں
ان کو تمامہا اس موقع پر نقل کرنا خالی از طوالت نہیں ہے ان کو دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ عورت کے قول یا فعل سے اس کی کراہت اور نافرمانی
ظاہر ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ وہ شوہر کے ساتھ نباہنے کے لئے رضامند
نہیں ہے تو مرد کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ابقائے حدود اللہ کے خیال سے
اس کو فدیہ لے کر علحدہ کر دے۔ چنانچہ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں

اذا کرہت المراۃ زوجہا فلیاخذہ و لیترکھا
یعنے جب عورت مرد سے کارہ و نفور ہو جائے تو اس کو
فدیہ سے لے کر علحدہ کر دینا چاہئے۔

دوسری روایت میں جو مجاہد سے منقول ہے لکھا ہے۔

قال الخلع لا یحل لہ الا ان تقول المراۃ لا ابر قسمہ

اسلام میں پہلی خلع

امام جریر طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے پہلی خلع جو اسلام میں واقع ہوئی وہ جمیلہ بنت سلول کی تھی۔ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا کہ میں ثابت بن قیس اپنے شوہر کی دینداری اور نیک خلقی کی نسبت کوئی شکایت نہیں کرتی لیکن میں دائرہ اسلام میں رہ کر کفران نعمت سے ڈرتی ہوں آپ نے فرمایا کیا تم اوس کے باغ کو (جو انہوں نے مہر میں دیا تھا) واپس کردو گی۔ جمیلہ نے کہا۔ "وہ باغ اور کچھ اس سے بھی زیادہ دینے کے لئے تیار ہوں"۔ آپ نے فرمایا اس سے زیادہ کر واپس کرنے کی ضرورت نہیں اُس کا باغ واپس کرو اور دونوں میں تفریق کرادی۔ یہ حدیث صحاح میں موجود ہے اور کثرت طرق کے لحاظ سے شہور کا درجہ رکھتی ہے۔ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ آپ نے خلع کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری قرار نہیں دی بعض روایات سے یہ ظاہر ہے کہ ثابت کو اپنی بیوی سے بے حد محبت تھی اور وہ اون کو جدا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن چونکہ بیوی کو نفرت تھی اور ایسی حالت میں حسن معاشرت کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی اس لئے آں حضرت صلعم نے دونوں میں خلع کرادی۔

اس حدیث سے واضح ہے کہ خلع کا وقوع عورت کی خواہش پر ہوا اور بلا لحاظ رضامندی شوہر اس کو نافذ کیا گیا۔ کیا اس کے بعد یہ

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب نشوز عورت کی جانب سے ہو تو اس امر کی کبھی امید نہیں رکھی جا سکتی کہ مرد کا برتاو حسن معاشرت کے ساتھ ہو سکے گا اور جب اس کی توقع اٹھ جائے تو پھر کسی طرح یہ جائز نہیں ہے کہ جبراً عورت کو مرد اپنے حبالہ عقد میں رکھے اور اسی صورت میں مردوں کو اپنا دیا ہوا مال واپس لینے کی اجازت دی گئی ہے اور یہ بالکل منصفانہ حکم ہے تاکہ مرد بلا وجہ مالی خسارہ نہ اٹھائے۔

اس آیت میں یہ امر ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ "یخافا" اور "یقیما" بصیغہ تثنیہ استعمال کئے گئے ہیں۔ اس سے یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ اندیشہ عدم قیام حقوق و واجبات نکاح میں مرد و عورت دونوں کو برابر کا شریک رکھا گیا ہے۔ اگر رشتہ نکاح کو توڑنے میں عورت کی خواہش اور رضامندی لاشئے محض ہوتی جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے تو پھر خوف عدم قیام حقوق و واجبات نکاح میں عورتوں کو مخاطب ہی نہ کیا جاتا۔ زوجین میں سے کسی کو اس امر کا خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو قایم نہیں رکھ سکتے تو پھر خلع کی بنیاد پیدا ہو جاتی ہے " افتدت" بصیغہ واحد استعمال کیا گیا ہے جس سے بآسانی یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ یہ عورت کا حق ہے۔ اگر یہ مرد کا حق ہوتا اور اس سے محض مرد کے حق کی حفاظت ہوتی تو افتدا کی نسبت بجائے عورت کے مرد کی طرف کی جاتی۔

اوران کے بستر الگ کر دو اور ان کو مارو پس اگر وہ تمہاری اطاعت کرلیں تو انکا

کتب احادیث میں عورتوں کو مارنے کی اجازت کا قصہ یوں مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے
عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا تھا ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلعم کے پاس تشریف
لائے اور کہا کہ: ۔ یا رسول اللہ ذئرن نساء المدینة دساءت اخلاقھن ۔
اے رسول اللہ مدینہ کی عورتیں شوخ ہوگئی ہیں اور انکے اخلاق بگڑ گئے ہیں اس پر آنحضرت نے مردوں کو
مارنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ اس رات بہت سے مردوں نے اپنی عورتوں کو مار اٹھایا۔ دن نکلے
کوئی ستر عورتیں آنحضرت صلعم کی ازواج مطہرات کے پاس اپنے شوہروں کی مار پیٹ کی شکایت
لیکر پہنچیں آنحضرت صلعم نے لوگوں کو جمع کیا اور ایک تقریر فرمائی اور اس میں ارشاد فرمایا کہ "میرے
گھر میں بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی مار پیٹ کی شکایت لیکر آئی ہیں بخدا وہ لوگ جنہوں نے یہ حرکت کی
کبھی اچھے نہیں ہوسکتے" اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم نے ابتداءً عورتوں کو مارنے سے منع فرمادیا تھا
لیکن حضرت عمرؓ کے کہنے سے رخصت دیدی لیکن جب آپکے پاس انکی شکایت پہنچی تو پھر منع فرمادیا۔ ممکن ہے کہ
آیت انکے بعد نازل ہوئی ہو جیسا کہ کتاب الام میں شافعیؒ کا خیال ہے لیکن تقریباً تمام مفسرین اس امر پر متفق ہیں
کہ آیت میں ضرب سے ضرب غیر مبرح یعنی غیر موثر مراد ہے۔ اور نیز احادیث صحیحہ نبویہ سے منقول اور ثابت ہے جس سے
نتیجہ نکلتا ہے کہ شارع نے اس تشریح سے اس اجازت کو عملاً اسقدر محدود فرما دیا تھا کہ وہ کالعدم ہو گئی
کیونکہ مارنے کا حکم دینا اور پھر اسکو اس طرح مقید کردینا کہ مار ایسی ہو جس کا کوئی اثر نہ ہو اسکے یہی معنی ہیں
کہ گویا نہ مارنے کے برابر ہے بعض قرآنی میں شارع کی اس طرح کی تقیید و تخصیص کے نظائر بہت سے ملتے ہیں
امام شافعیؒ کتاب الام میں لکھتے ہیں کہ اجازت ضرب بطور اباحت مستنبط ہوتی ہے نہ کہ بطریق وجوب

کہا جا سکتا ہے کہ یہ عورت کا حق نہیں ہے اور اس میں مرد کی رضامندی لازمی ہے جو لوگ اس کا ادعا کرتے ہیں ان کو چاہئیے کہ وہ اس کے خلاف کوئی سند پیش کریں ورنہ تاویل اور قیاس آرائی اور سخن پروری کے لئے بہت کچھ گنجائش موجود ہے

بدمزاج عورتوں کے متعلق حکم

ازدواجی زندگی میں بعض اوقات مردوں کو بدمزاج عورتوں سے سابقہ پڑ جاتا ہے یا عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ نافرمانی اختیار کرنے لگتی ہیں لیکن نہ مرد طلاق دیتا ہے اور نہ عورت خلع چاہتی ہے۔ ایسی حالتوں میں کیا چارکار اختیار کیا جائے۔ اس کے متعلق حسب ذیل آیات وارد ہوئی ہیں:-

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ يُّرِيْدَا اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا۔

(ترجمہ) اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی کا تم کو خوف ہو تو تم ان کو نصیحت کرو

آیت مذکورۂ بالا میں درج ہیں اصلاح حال نہ ہوسکے تو آخری چارہ کار طلاق وخلع کا مرد اور عورت دونوں کے لئے موجود ہے۔ وہ اس سے کام لے سکتے ہیں۔

اس موقع پر بطور جملہ معترضہ یہ ظاہر کردینا مناسب ہوگا کہ بھولوی خلیل الزماں صاحب کے مسودۂ قانون میں اس چارہ کار سے متعلق کوئی دفعہ وضع نہیں کیگئی ہے اس کے برخلاف مسودہ بھوپال میں اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ میری ناقص رائے میں اس حالت سے متعلق ایک دفعہ بلحاظ مفہوم و منطوق آیت درج قانون ہونی چاہئے۔

امام شافعی کی رائے

امام شافعی سے کتاب الاُم میں منقول ہے کہ زوجین کو بحالت "شقاق" (ناچاقی) نہیں چھوڑا جاسکتا۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ زوجین کو اس امر پر رضامند کرے کہ وہ حکم (ثالث) پر اپنے معاملہ کو بالکلیہ چھوڑدیں۔ اگر حکم مناسب سمجھیں تو ان میں خلع کرادیں یا تفریق کرادیں ورنہ حاکم کو اختیار ہوگا کہ واقعات اور حالات کے لحاظ سے جو تجویز مناسب سمجھے صادر کرے (ملاحظہ ہو کتاب الام جزء رابع صفحہ ۱)۔

حضرت علی کا فیصلہ

حضرت علی کے پاس ایک میاں بیوی آئے۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک جم غفیر لوگوں کا تھا۔ حضرت علی نے حکم دیا کہ ایک حکم عورت کے لوگوں میں سے اور ایک حکم مرد کے لوگوں میں انتخاب کیا جائے

پیچھا نہ کرو بیشک اللہ برتر اور بزرگ ہے اور اگر تم کو ان کے درمیان ناچاقی کا خوف ہو تو بھیجو ایک حکم (مرد) کے لوگوں میں سے اور ایک حکم (عورت) کے لوگوں میں سے۔ اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا کرے گا بیشک اللہ برتر و بزرگ ہے۔

اس آیت میں وہ چارہ کار بتایا گیا ہے جو عورتوں کے نشوز کی حالت میں اختیار کیا جا سکتا ہے اس میں تفریق کا کوئی حکم نہیں ہے بلکہ "ان یریدا اصلاحاً" کے الفاظ سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ زوجین میں سے کسی کی خواہش جدائی کی نہ ہو بلکہ دونوں اصلاح حال چاہتے ہوں۔ چونکہ طلاق اور خلع کے متعلق علحدہ آیتیں موجود تھیں اس لئے یہاں اس کی صراحت کی چنداں ضرورت نہ تھی اگر ان تدابیر سے جو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳ اور پسندیدہ امر وہی ہے جسکو آنحضرت صلعم نے پسند فرمایا اس لئے یہ مناسب ہے کہ عورت کی بدزبانی وغیرہ امور میں اسکے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جائے۔ ہمارے نزدیک یہ اباحت بھی سوسائٹی کے ان طبقات کے لئے ہے جن کی نسبت آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے وہ مسلمانوں میں بہتر نہیں سمجھے جا سکتے۔

ایک حدیث صحیح سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت مرد کی مارپیٹ کی بنا پر خلع چاہے تو خلع کرا ثابت بن قیس بن شماس کی ایک بیوی حبیبہ بنت سہل نے آنحضرت صلعم کے پاس آکر اپنے شوہر کی مارپیٹ شکایت کی اور کہا کہ میں اپنے شوہر کے پاس رہنا نہیں چاہتی۔ آنحضرت صلعم نے ان کے شوہر کو بلا مہر واپس دلا کر خلع کرا دی (ملاحظہ ہو کتاب الام صفحہ ۱۷۹)

کی صورت میں "امساک بالمعروف" کا تصور ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس موقع مجھے دیگر ائمہ مذاہب کے کتب کا حوالہ دینے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ احناف کے لئے فتح القدیر کا یہ حوالہ کافی ہے: رفع امرھا الی السلطان صیغۃ ذکر امر ایلہ وحکما من اہلہا وایماکان انظلم ردہ الی السلطان یاخذ فوق یدہا کما الغنین والمجبوب والحاکم ھوالذی یتولی النظر فی ذالک والفصل بینھما (فتح القدیر ص ۲۲۴ جلد ۲) یعنی ایسی عورت کا معاملہ سلطان وقت کے پاس پیش کیا جائے گا اور وہ ایک حکم مرد کے لوگوں میں سے اور ایک حکم عورت کے لوگوں میں سے انتخاب کریگا اور ان میں سے جس کی زیادتی ہو اس کو بعض حکم آخر سلطان کے پاس پیش کیا جائیگا جس کو وہ خود کریگا جیسا کہ عنین اور مجبوب کے متعلق حکم ہے کیونکہ حاکم ہی اس بارہ میں غور کرنے اور فیصلہ کرنے کا مجاز ہے

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک میاں بیوی آئے مرد نے شکایت کی کہ اس کی عورت ناشزہ (نافرمان) ہو گئی ہے حضرت عمرؓ نے اس کو نصیحت فرمائی۔ جب اس نے نہ مانا تو ایک گھر میں جس میں کوڑا کرکٹ بھرا پڑا تھا تین دن تک بند رکھا جو تھے دن بلا کر پوچھا "کیسی گذری" اوس نے جواب دیا "مجھے راحت ملی ہے تو تین راتوں" حضرت عمرؓ نے مرد کو فرمایا "اگر وہ ایک بالی بھی دیتی ہے تو خلع کر لو" ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "نشوز ایسا ہوتا ہے" اور

پھر ان حکموں کو بلا کر فرمایا:۔ "تم جانتے ہو تم کو کیا کرنا ہوگا؟ اگر تم مناسب سمجھو تو ان کو ملا دو ورنہ ان میں تفریق کرا دو۔" عورت نے کہا جو کچھ کتاب اللہ میں میرے مفید یا مضر ہو میں اس پر راضی" مرد نے کہا۔ "اگر تفریق کرائی جاتی ہے تو میں اس پر رضامند نہیں"۔ حضرت علی نے فرمایا: "تم جھوٹ کہتے ہو، تم کو بھی وہی کہنا پڑیگا جو تمہاری عورت نے کہا ہے"۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے مرد کو فرمایا "تم اس وقت تک یہاں سے ہٹ نہیں سکتے جب تک کہ ایسا اقرار نہ کرلو۔"

ائمہ کا اختلاف ائمہ کے درمیان اس بارہ میں اختلاف آراء ہے کہ حکمین (ثالثوں) کو تفریق کا اختیار بلا رضامندی زوجین حاصل ہے یا نہیں ہر ایک کے وجوہ و دلائل اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں جس کی صراحت اس موقع پر موجب تطویل ہے لیکن اس امر میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ جب ناموافقت اس درجہ پہنچ جائے کہ "معاشرت بالمعروف" نہ ہو سکے تو پھر آخری چارۂ کار تفریق کا حاکم یا قاضی کو بہرحال اختیار کرنا پڑے گا۔ چاہے وہ مرد کو طلاق پر مجبور کرنے سے ہو یا خلع کرا دینے سے یا بطور خود دونوں میں تفریق کرا دینے سے اختلاف طریقہ کارروائی اور ضابطہ کا ہے جس سے نفس مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اصل اس میں وہی "امساک بالمعروف" اور "ولا تمسکوھن ضرارا" اور "ولا تضاروھن" ہے کیونکہ ناموافقت

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْــًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

(ترجمہ) اور اگر تم ایک بیوی کی بجائے دوسری بیوی کو بدلنا چاہو بحالیکہ تم نے ان میں سے ایک کو دیا ہے بہت سا مال۔ تو نہ لو تم اس میں سے کوئی چیز بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے اور کیسے لیتے ہو تم اس کو در آنحالیکہ تم میں سے ہر ایک نے دوسرے سے تمتع حاصل کیا ہے اور عورتوں نے تم سے پکا عہد لیا ہے۔

یہہ آیت اس صورت سے متعلق ہے جب کہ بعض مرد اپنی بیوی سے اکتا کر یا بیزار ہو کر دوسرا نکاح کرنے کا ارادہ کرتے ہیں لیکن اون کو مشکل یہہ درپیش ہوتی ہے کہ اگر طلاق دیتے ہیں تو دئے ہوئے مہر سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور اگر مہر نہ ادا کیا ہو تو مہر کی کر لگ جاتی ہے اس لئے ان کی خواہش ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح بدنام کر کے یا بہتان باندھ کر اپنا دیا ہوا مال ان سے اینٹھ لیں اور ان کو علیحدہ کر کے دوسری بیوی سے عقد مواصلت باندھیں اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ان کا یہہ فعل کسی طرح مستحسن نہیں ہے اور ان کے لئے یہہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے دئے ہوئے مال کو اس طرح واپس لیں "میثاق غلیظاً" سے اوس قول و قرار کی جانب اشارہ ہے جو صدر اول میں بوقت نکاح مرد سے لیا جاتا تھا

خلع کر لینے کا حکم دیا۔

آنحضرت صلعم کا طریقہ عمل

آنحضرت صلعم کے پاس آکر جب کوئی عورت خلع کی استدعا کرتی تو آپ اوس سے دریافت فرماتے تھے "کیا تم اوس کو اس کا دیا ہوا مال واپس کر دوگی"۔ اگر وہ اس پر راضی ہو جاتی تو مرد سے آپ فرماتے جو وہ دیتی ہے اوس کو بغیر کسی اضافہ کے قبول کر لو اور طلاق دیدو"۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ خذ الذی لھما علیک و خل سبیلھا"۔ یعنے تمہارا جو کچھ اس کے ذمہ ہے وہ لے لو اور اس کو چھوڑ دو (ملاحظہ ہو کشف الغمہ للشعرانی جزو دوم ص ۹)

ان روایات و آثار سے ظاہر ہے کہ نفاذ خلع کے لئے مرد کی رضامندی ضروری نہیں ہے۔ قاضی یا حاکم کو اختیار ہے کہ وہ شوہر کی بلا رضامندی حالات کے لحاظ سے خلع کرادے یا طلاق لوادے۔ یا تفریق کروادے۔ اگر حق خلع کا نفاذ مرد کی رضامندی پر موقوف ہوتا تو ضرور مرد کی رضامندی دریافت کیجاتی اسی طرح جب نشوز اس درجہ پہنچ جائے کہ موافقت کی کوئی صورت نکل نہ سکے اور حسن معاشرت کے ساتھ زندگی بسر نہ ہو سکے تو پھر مرد کی رضامندی کا سوال باقی نہیں رہتا آنحضرت صلعم اور صحابہ کا یہی عمل تھا اور احکام قرانی بھی اس کے مؤید ہیں۔

مرد کا نشوز اور اسکی صورتیں

یہ ایک غلط خیال لوگوں کے ذہن میں جما ہوا ہے کہ ہمیشہ نشوز عورتوں کی جانب سے ہوا کرتا ہے۔ کبھی نشوز مردوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے چنانچہ آیات ذیل اس پر دلالت کرتی ہیں۔

طبری کی روایت ہے کہ زمانہ سلف میں عورت کے اولیا مرد سے یہ اقرار بلکہ
حلف لیا کرتے تھے کہ مرد یا تو عورت کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آئے یا اس
کو [illegible] و احسان کے ساتھ رخصت کر دے ایسی حالت میں بعض نیک بیویاں
نہیں چاہتیں کہ مرد کی خواہشات میں خلل انداز ہوں اور اس سے جدائی حاصل
کریں اس لئے اپنے شوہروں کو اپنے حقوق سے دست بردار ہو کر اجازت
دیدیتی ہیں کہ وہ دوسری شادی کرے اور ان کو علیحدہ نہ کرے اس طرح
کی مصالحت کو ذیل کی آیت میں جائز قرار دیا گیا تھا۔

ان امراۃ خافت من بعلہا نشوزا او اعراضا فلا جناح علیہما
ان یصالحا بینہما صلحا والصلح خیر واحضرت الانفس الشح
وان تحسنوا وتتقوا فان اللہ کان بما تعملون خبیرا
ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم فلا
تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ وان تصلحوا
وتتقوا فان اللہ کان غفورا رحیما ۔ وان یتفرقا یغن اللہ کلا
من سعتہ وکان اللہ واسعا علیما (سورہ نساء)

(ترجمہ) اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے نفرت یا بے رخی کا خوف کرے
تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ باہم صلح کرلیں صلح بہتر ہے اور نفوس
انسانی میں حرص کا مادہ ودیعت کیا گیا ہے اور اگر تم نکوکاری اور پرہیزگاری

کو پسند کرتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

کیا مسلمانوں کے لئے ان کے نبی کریم صلعم کا فعل و عمل نمونہ ہونا چاہئے لیکن افسوس ہے کہ ہم نے کتاب و سنت کو پس پشت ڈالدیا ہے اور ہدایہ اور قدوری اور کنز میں جو کچھ لکھدیا ہے اس سے ایک انچہ آگے بڑھنا نہیں چاہتے جو لوگ محض فقہ حنفی کی تصریحات سے کام لیکر اس مسئلہ کو ایک محدود زاویہ نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں انکی خدمت میں عرض ہے کہ امت اسلامیہ میں صرف پیروان مذہب حنفی داخل نہیں ہیں اور علمائے احناف میں بھی بہت سے علما ضروریات زمانہ کے مدنظر اس بات پر مجبور ہوئے ہیں کہ خلع و طلاق کے مسائل میں دیگر ایمہ کے مذہب پر عمل کریں۔ چنانچہ سرکار عالیہ بھوپال نے حقوق ازدواج کے متعلق جو قانون وضع کیا ہے اس کے مرتب کرنے والے حنفی علماء ہیں۔ مصر و شام میں بھی قریب قریب ایسے ہی قوانین نافذ ہو چکے ہیں بعض حضرات نے موجودہ مشکلات کو رفع کرنے کے لئے فقہ حنفی کے مسئلہ تفویض طلاق پر عمل کرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن اوس پر عمل کرنے کو ناجائز فائدہ اٹھانے سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ قرآن میں اوس کی تصریح نہیں ہے اگر مسئلہ در حقیقت صحیح اور جائز ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر عمل کرنا کیونکر

اور نباہنے کے لئے آمادہ اور راضی ہے یا نہیں اگر وہ راضی ہوتی تھی تو اسکو اپنے حبالۂ عقد میں رکھتے تھے ورنہ طلاق دیکر جدا کر دیتے تھے (کشف الغمہ للشعرانی)

ان تمام روایات و احادیث او عمل سلف صلح سے یہ امر اچھی طرح ثابت ہے کہ نکاح کے معاملہ میں شریعت اسلامی نے کبھی عورت پر ظلم و تشدد و جبر و اکراہ کو جائز نہیں رکھا ہے

آیت تخییر رسول مقبول صلعم سے بڑھ کر کون ازدواجی زندگی میں حسن معاشرت کا نمونہ ہو سکتا ہے اور آپ کی ذات مقدس سے بڑھ کر کوئی اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کر سکتا ہے لیکن جب بعض ازواج مطہرات سے کسی خانگی معاملہ میں کچھ بدمزگی پیدا ہوگئی اور آپ نے کچھ دنوں کے لئے اپنا بستر الگ کر لیا جس کا قصہ کتب احادیث میں مفصلاً مذکور ہے تو آیت تخییر نازل ہوئی اور ارشاد ہوا۔

یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوٰۃ الدنیا وزینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحاً جمیلاً

وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیماً ؀

(ترجمہ) اے نبی کہدے اپنی بیویوں سے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ دیکر بہت عمدگی کے ساتھ رخصت کر دونگا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور دار آخرت

تسلیم کیا گیا اور بہ نظر استحسان دیکھا گیا اس کے بعد پھر اس مسئلہ کے متعلق کچھ لکھنے پڑھنے کا موقع نہیں آیا اور یوں بھی راقم ایک عرصے اخباری دنیا اور مضمون نگاری سے بے تعلق ہے۔ بقول طالب آملی سے

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن بر چہرہ زخمے بود بہ شد

لیکن مولوی خلیل الزماں صاحب کا مسودۂ قانون ازدواج جب اخبارات میں شائع ہوا تو راقم نے صاحب موصوف کی خدمت میں اس مبارک اقدام پر اظہار تہنیت کرتے ہوئے قانون مذکور کی بعض دفعات کی ترمیم کے متعلق اپنے خانگی خط میں توجہ دلائی تھی لیکن نفس قانون کی مخالفت میں بعض مضامین کو دیکھنے کے بعد امر حق کے اظہار پر مجبور ہونا پڑا اس سے ہرگز راقم کا یہ منشاء نہ تھا نہ ہے کہ باب مجادلہ و مناظرہ کھولا جائے یا کسی شخص خاص کی تحریر کا کوئی معارضہ کیا جائے اس لئے بہت سی ایسی باتیں جو ان مضامین میں محل نظر و تامل تھیں بلا ادائی جواب چھوڑ دی گئیں کیونکہ ان کو نفس مسئلہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یہاں کے مسلمان خاندانوں کی ازدواجی زندگی کا راقم کو بطور خاص تجربہ ہے اور متعدد واقعات ایسے نظر سے گزر چکے ہیں جو موجودہ تعامل فقہاء کی وجہ سے ناقابل علاج ہو گئے اور ان کے نتایج حد درجہ افسوسناک تھے اور احکام شریعت اور دین اسلام کی بدنامی اور رسوائی کا موجب بن

ناجائز ہوگیا رہی قرآن کی عدم تصحیح کی بحث تو نفس مسئلہ کے جواز میں بھی خلل انداز ہو سکتی ہے لیکن ان حضرات کو غور کرنا چاہئے کہ اس تکلف بارد اور لزوم مالا یلزم کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ شریعت کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور نصوص شرعیہ اس بارہ میں ایک بڑی حد تک صریح و قطعی ہیں اور قرآن مبین میں صاف اور واضح احکام ان مشکلات کے حل کرنے کے لئے موجود ہیں یہ وہ ضرورت جس کے لئے آج ربع صدی سے ہندوستان کے مسلمان آتش زیر پا اور بیقرار ہیں منت والحاح ان حضرات سے استدعا کرونگا کہ وہ ملت اسلامیہ پر رحم فرمائیں اور موجودہ حالات وضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے مسلک حنفیت سے انہیں کسی قدر تجاوز کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہ فرمائیں کیونکہ سلف صالح نے ایسے مواقع میں یہی عمل کیا ہے۔ مجدد الملۃ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ سے بڑھ کر اس زمانہ میں کون اسرار و رموز شریعت کا واقف کار ہوگا اور شاہ صاحب کی حنفیت میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے ملاحظہ فرمایا جائے کہ انہوں نے اس باب میں حجۃ اللہ البالغہ میں کیا تحریر فرمایا ہے

آج سے تقریباً سترہ اٹھارہ سال قبل ایک صورت واقعہ کے متعلق جو شمالی ہند میں پیش آئی تھی ہندوستان کے اخبارات میں یہ مسئلہ چھڑ چکا ہے اور اخبار وکیل امرتسر میں مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر حضرات کے مضامین شائع ہوئے تھے خاکسار نے بھی اپنی ناقص تحقیق کی بموجب اظہار خیال کیا تھا جس کو عموما

ایک تائیدی شہادت

خلع کو عورتوں کا حق قرار دینے میں صرف راقم الحروف ہی منفرد نہیں ہے بلکہ اکثر علما اس کو عورت کا حق قرار دیتے ہیں اور اس کے نافذ کرنے میں مرد کی رضامندی کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں حال ہی میں حضرت استاذی مولانا مولوی عبدالقدیر صاحب مدظلہٗ پروفیسر دینیات عثمانیہ کالج کا مضمون عورتوں کے حقوق کے متعلق "مجموعہ تحقیقات علمیہ کلیہ جامعہ عثمانیہ" میں شائع ہوا ہے۔ حق یہ ہے کہ حضرت ممدوح نے بکمال تحقیق و تبحر علمی نہایت مدلل و مبسوط مقالہ بحوالہ کتب فقہیہ و احکام شرعیہ تحریر فرمایا ہے جو اس قابل ہے کہ اہل علم اس کو بغور و تامل مطالعہ کریں۔ اس مضمون کے بعض فقرات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ممدوح کی تحقیق بھی یہی ہے کہ خلع عورت کا حق ہے جو اسلام نے بطور خاص عورت کو عطا کیا ہے اور اس کا نفاذ مرد کی رضامندی پر موقوف نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت ممدوح ارشاد فرماتے ہیں:۔

"........ خلع کا حق عورت کو ہے بمقابل اس طلاق کے جو مرد کے ہاتھ میں دی گئی ہے۔ جب کہ وہ عورت سے بیزار ہو........ پھر اگر قاضی کو معلوم ہو جائے کہ شوہر امساک بالمعروف نہیں کرتا تو طلاق کا حکم دیگا۔ نہ ماننے کی صورت

کے متعلق اغیار کو یہ کہنے کا موقع حاصل ہے کہ ؎

اگر حقیقت اسلام در جہاں این است
ہزار خندہ کفرست بر مسلمانی

یہہ تمام خیالات و حالات ایک عرصہ سے سوہان روح تھے خدمت اسلامی کے جذبہ نے مجبور کیا کہ اس بارہ میں جو کچھ اپنے ناقص خیالات تھے ان کو پیش کر دیا جائے زمانہ کے انقلاب نے عامتہ الناس کی ذہنیت میں بہت کچھ تبدیلی پیدا کر دی اور لوگ اپنی حقیقی ضروریات کو محسوس کرنے لگے ہیں اور حق طلبی کا جذبہ مردوں سے گزر کر عورتوں میں بھی سرایت کرتا جا رہا ہے اب "مومنات غافلات" کو زیادہ عرصہ تک غفلت میں نہیں رکھا جا سکتا اور اگر مردوں نے عورتوں کے واجبی حقوق دینے میں جو خدا اور اس کے رسول صلعم نے ان کو دئے ہیں بے توجہی اور تعصب و تشدد سے کام لیا تو اس کا رد عمل جیسا کہ ہر ایک تحریک اصلاح کا ہوا کرتا ہے بہت سخت ہوگا۔ قبل اس کے کہ نئی روشنی اور آزادی خیالی کا سیلاب ہماری گھریلو زندگی کو تباہ کر دے۔ علماء اور بہی خواہان امت کا فرض ہے کہ وہ احکام قرانی کے بموجب موجودہ خرابیوں کے انسداد اور اصلاح کی فکر کریں اور قبل اس کے کہ پانی سر دں سے گزر جائے اس کی نکاسی کی تدبیر کریں۔

مرد اور عورت کا مرتبہ[۱]

اسلامی نقطۂ نظر سے

گاہ گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را — تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را

ہماری موجودہ ذہنیت

حقوق نسواں کے مسئلہ کو طے کرنے کے وقت اُس ذہنیت کو ملحوظ رکھنے کی ضرورت ہے جو فی زمانناعام طور پر عورت کے متعلق ہم لوگوں کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک عورت کی حقیقت اس کے کھلونے سے زیادہ نہیں ہے جس کو محض ہماری تفریح طبع اور دل خوش کرنے کے لئے خدا نے اس دنیا میں پیدا کیا ہے۔ جس سے ہم اپنی خواہشات نفسانی و حیوانی کو پورا کرتے ہیں اور زیادہ ترقی کی جانے

---

[۱] یہ مضمون اخبار "نشور" روزانہ بلدہ حیدرآباد میں طبع ہوا تھا جس میں بعض ضروری ترمیمات کر دی گئی ہیں

بن شوہر کا قائم مقام ہو کر خود طلاق دیگا۔

حضرت ممدوح اپنے مضمون کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:-

"........ اسلام میں عورت کے لئے کسی قسم کی تنگی نہیں۔ اگر نااتفاقی کی صورت میں مرد کو طلاق کا حق ہے تو عورت کو خلع لینے کا حق ہے .... اگر عورت کی شرارت ثابت ہو تو اس کو مہر سے ہاتھ اٹھانا پڑے گا۔ قاضی خلع کرا دے گا ...."

والسلام علی من اتبع الہدیٰ

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس

ہو سکتا۔ اور اس کی بنا پر کفر و الحاد تک کی فردِ جرم لگائی جا سکتی ہے مسئلہ طلاق و خلع جب سے چھڑا ہے ان ہی خیالات عالیہ کا مظاہرہ دیکھنے اور سننے میں آ رہا ہے جس سے غالباً طبقۂ نسوان کے جذبات لطیف کو ضرور ٹھیس لگی ہوگی لیکن میں اپنی بہنوں کو اطمینان دلانا چاہتا ہوں کہ بانیٔ اسلام اور اسلام نے عورتوں کی تعظیم و تکریم اور ان کی حقوق کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا اور مردوں کو جو درجہ فضیلت عطا کیا گیا ہے وہ اس ذمہ داری سے متعلق ہے جو ان کے کندھوں پر عورتوں اور ان کے حقوق کی حفاظت کے متعلق عائد کی گئی ہے اس کا تعلق خصوصیات جنسی نوعی سے کسی طرح نہیں ہے۔ جن حضرات نے یہ خیال کیا ہے انہوں نے "الرجال قوامون علی النساء" اور "وللرجال علیهن درجة" کے معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ جو مرد اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوتے یا نہیں ہو سکتے وہ عورتوں پر کسی ادعائے فضیلت کے مستحق بھی نہیں ہو سکتے۔

نظام معاشرتی کے لئے مرکز کی ضرورت

یہ ظاہر ہے کہ دنیا کے ہر ایک نظام کے لئے کسی نہ کسی وحدت کی جانب راجع ہونا ضروری ہے۔ انسان کی گھریلو زندگی بھی ایک نظام رکھتی ہے۔ اور اس کا بھی ایک نہ ایک مرکز ہونا لازمی ہے سوال یہ ہے کہ یہ مرکز کس کو قرار دیا جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ مرکز وہی ہو سکتا ہے جس پر زیادہ سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ رکھا گیا ہو۔ مرد پر سر کا بیوی بچوں کے نفقہ کا امساک بالمعروف کا اور تسریح باحسان کا بار عائد کیا گیا ہے۔ اس فطرت کے لحاظ سے جو مرد اور عورت کی خدا نے بنائی ہے یہ فیصلہ بالکل مطابق عقل و انصاف تھا اس لئے الطاف کا

تو وہ توالد وتناسل کا ایک آلہ اور ذریعہ ہے جس سے حفاظت نسل کا کام لیا
جاتا ہے۔ نکاح کے نام سے گویا عورت کو بمعاوضہ مہر خرید لیا جاتا ہے (اگرچہ
آجکل یہ معاوضہ برائے نام ہوتا ہے ورنہ درحقیقت یہ خرید وفروخت بلامعاوضہ
انجام پاتی ہے) اور طلاق کے ذریعہ جب جی چاہے چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ
نکاح کی تعریف ہی یہی کیگئی ہے کہ وہ "تملیک" کا نام ہے پس عورت کو یا کسی اور کو اس
امر کا حق ہی کیا ہے کہ وہ مردوں کے اس حق میں دست اندازی کرے۔ کیا غلام آقا سے
سرتابی کرکے حلقہ غلامی سے آزاد ہو سکتا ہے۔ کیا کسی کے ملک کو کوئی بزور حکومت
چھین سکتا ہے۔ اگر کسی نے ایسا کیا بھی تو کیا وہ عنداللہ جائز ہوگا۔ عورت کو ہر طرح کے نقص
اور کمزوری کا منبع قرار دیکر اور اپنی فوقیت جتا کر اس کے حقوق کو غصب کرنے کی کوشش
میں اس کی ہر طرح کی توہین وتذلیل کیجاتی ہے۔ اگر یہ خیالات محض عوام تک محدود
ہوتے تو ہم کو ان سے بحث کرنے اور ان کو اہمیت دینے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم دیکھتے
ہیں کہ ان خیالات کا اظہار ان اصحاب کی جانب سے کیا جاتا ہے جو اہل علم کہلاتے ہیں اور
بطور حقیقت اور واقعہ کے پبلک طور پر اسکا اعلان کیا جاتا ہے اور قرآن وحدیث کو استدلالاً
پیش کیا جاتا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس بحث میں اپنی ناقص معلومات کی حد تک
اس مسئلہ پر نظر ڈالیں کہ آیا اسلام اور محققین اسلام کا عورت کے متعلق یہی نظریہ ہے اور جو آیات
مردوں کی فضیلت کے متعلق آئی ہیں کیا ان سے جنسی اور نوعی فضیلت مراد ہے یا ان کا
کوئی اور مطلب ہے۔ اس مضمون میں ہم اپنی طرف سے کچھ لکھنا نہیں چاہتے کیونکہ اگر ہم ایسا
کریں گے تو اجتہاد کے بدترین جرم کے مرتکب ہونگے جو آجکل کسی طرح قابل معافی نہیں

سے کی ہے۔ قال الخطابی "الکلمة قول اللہ تعالیٰ فامساک بمعروف وتسریح باحسان" (العقد المنظم)
ہم لوگوں کی بھی عجب ذہنیت ہو گئی ہے جو فضیلت ایفائے حقوق پر مبنی ہے وہ انتزاع حق کے لئے
آجکل کام میں لائی جا رہی ہے۔ "ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

قرآنی آیات | اس فضیلت کے متعلق قرآن مجید میں دو جگہ آیتیں وارد ہوئی ہیں ایک جگہ ارشاد
ہوتا ہے:۔

پہلی آیت | الرجال قوامون علی النسآء بما فضل اللہ بعضہم علی بعض وبما انفقوا من
اموالہم فالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللہ۔

یعنی مرد عورتوں کے محافظ اور نگران اور خبر گیراں بنائے گئے ہیں۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت ہے
جیسی کہ بعض مردوں کو بعض پر حاصل ہے اور یہ فضیلت ان کو عورتوں کے اخراجات کا بار اٹھانے
کی وجہ سے بھی حاصل ہوتی ہے پس جو عورتیں نیک ہیں وہ مرد کی اطاعت گزار اور اپنے
شوہروں کی ان کے پیٹھ پیچھے محافظ ہیں کیونکہ اللہ نے ان کی حفاظت کی ہے مطلب
یہ ہے کہ جس طرح اللہ نے مردوں کو "قوام" بنا کر عورتوں کے اخراجات اور ہر قسم کی دنیوی مشغولیتوں
اور تکالیف سے بچا یا اور بے نیاز کر دیا اور ان کی حفاظت کر دی اسی طرح ان کو چاہئے کہ وہ
اس کی شکر گزاری میں خدا کو نہ بھول جائیں اور اپنے شوہروں کے حقوق کا لحاظ رکھیں "بما فضل اللہ
بعضہم علی بعض" سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح مردوں میں سے بعض کی فضیلت
بعض پر بعض حالات اور اعمال کی وجہ سے ہے اسی طرح عورت پر مرد کی فضیلت بھی بعض
حالات اور اوصاف کی وجہ سے ہو سکتی ہے مطلق جنسیت کی فضیلت اس سے مراد نہیں ہے

سررشتہ بھی مرد کے ہاتھ میں رکھا گیا۔ لیکن عورت کے حقوق کی حفاظت کے لئے اس کو حق خلع دیا گیا جس کا نفاذ یا تو باہمی رضامندی سے ہوگا یا قاضی کے توسط سے اور اگر عورت زیادہ احتیاط کو مدنظر رکھے تو اس حق کو بوقت معاہدہ نکاح اپنے حق میں منتقل کرا سکتی ہے تاکہ اسکو مرد کی مرضی یا قاضی کے فیصلہ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ فقہا کی تصریحات کی بموجب اگر مرد اپنے اس حق کو عورت کے ہاتھ میں بوقت معاہدہ نکاح دیدے تو جائز ہے۔ تفویض طلاق اور امر بالید کے مسائل ہر ایک فقہ کی کتاب میں بسط و تشریح کے ساتھ موجود ہیں اس طرح اسلام نے عورت کے حقوق کی حفاظت کا ملاً و مکملاً کردی ہے۔

مدار معیار فضیلت جو لوگ محض خصوصیات جنسی و نوعی کو مرد کی فضیلت کا معیار قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ بلکہ مفسرین اور محققین کی تصریحات کی بموجب مدار فضیلت وہ اچھا سلوک اور نیک برتاؤ ہے جو بحیثیت اور باوجود قوی ہونے کے مرد اپنے سے کمزور جنس یعنے عورت پر کرتا ہے۔ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جس نے ہر طرح کی خصوصیات نوعی اور جنس کو میٹ دیا۔ اور تمام بنی نوع انسان کو ایک سطح پر لا کھڑا کر دیا اور تقویٰ اور عمل صالح کو معیار شرافت و بزرگی قرار دیا۔ "یاایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثیٰ و جعلنٰ شعوبا و قبائل لتعارفوا طہ ان اکرمکم عند اللہ اتقیکم ان اللہ علیم خبیر" سورہ حجرات حجۃ الوداع میں آنحضرت صلعم نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت بجز عمل صالح کے نہیں ہے اور عورتوں کے حقوق کی نگہداشت کے متعلق خاص طور پر مردوں کو وصیت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا کہ تم نے خدا کے "کلمہ" سے ان کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ کلمۃ اللہ کی تشریح علمائے محققین نے امساک بالمعروف و تسریح بالاحسان

"قوام" کے معنے درحقیقت لفظ "قوام" سے عورتوں کی حرمت اور کرامت کا اظہار ہوتا ہے۔ نہ کہ ان کی تنقیص کا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے جنس لطیف کی خبرگیری ان کی ضروریات زندگی کی فراہمی اور ان کے آرام و آسایش کا بندوبست اور انکو ہر قسم کے خطرات و تکالیف سے محفوظ رکھنا اور انکو ذرایع معاش کی فکر سے مستغنی کرنا یہ سب مرد کے ذمہ کیا گیا ہے اور یہی فضیلت اس کی ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اور اس سے کماحقہ عہدہ برآ ہو اور یہی اس کا درجہ ہے جس کو آیت ثانی میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اس قسم کی فضیلت ہے جیسی کہ بعض مردوں کو مردوں پر حاصل ہے کیونکہ یہ فضیلت جنسی و نوعی نہیں ہے اوصاف و اعمال و خصائل سے اس کا تعلق ہے۔ پس اس آیت سے جنسی و نوعی فضیلت کا جو ادعا کیا جاتا ہے وہ صریحاً مفہوم و منطوق آیت کے خلاف ہے۔

صاحب لسان و تاج کی سند ہم نے "قوام" کے جو معنے اوپر ظاہر کئے ہیں اس کی تائید علمائے ادب کی ذیل کی عبارتوں سے بخوبی ہوتی ہے جس کو استناداً درج کیا جاتا ہے:۔

"وقام الرجال علی المراۃ مانہا وانہ لقوام علیہا مائن بہا وفی التنزیل العزیز الرجال قوامون علی النساء ولیس یراد ہھنا واللہ اعلم القیام الذی ہو المثول والتنصب ضد القعود وانما ہو من قولہم قمت بامرک فکانہ واللہ اعلم الرجال متکلفون بامور النساء معنیون بشئونہن" (لسان العرب جلد ۵ صفحہ ۵۰۴ مطبوعہ مصر)

"وقد یجی القیام بمعنی المحافظۃ والاصلاح ومنہ قولہ تعالی الرجال قوامون علی النساء وقولہ

بلکہ یہ مفہوم ہوتا ہے مرد ادعائے فضیلت اس وقت کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی ذمہ داری کو جو بحیثیت "قوام" ہونے کے ان پر عائد کی گئی ہے۔ ادا کریں۔ "بما حفظ اللہ" سے ظاہر ہے کہ خود خدا نے اپنی شریعت کے ذریعہ عورتوں کے حقوق کی اس طرح حفاظت کر دی ہے کہ کوئی ان کو چھین نہیں سکتا یہ ایک ایسا جملہ ہے جس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت و صیانت کی گویا رجسٹری کر دی اور اس پر مہر توثیق لگا دی۔

"بما انفقوا" سے خود خدا نے ایک طرح کی نوع فضیلت کا تعین فرما دیا اور ظاہر فرما دیا کہ نفقہ دینے اور اخراجات کا بار اٹھانے کی وجہ سے مردوں کو یہ مزیت حاصل ہوئی ہے۔

فخر رازی کی تشریح

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں اس عامیانہ خیال کو جو بعض خصوصیت جنسی اور نوعی کی بنا پر مردوں کی فضیلت کے متعلق اس زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

"جاننا چاہیئے کہ جب خدا تعالےٰ نے یہ فرما دیا ہے کہ تم میں سے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی گئی ہے اس کو نہ چاہو اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ان آیات کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ عورتوں نے میراث میں مردوں کو ترجیح دینے کے متعلق چہ میگوئیاں کی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس ترجیح کی وجہ بیان کی اور ظاہر کیا کہ مرد عورتوں کے نگران اور محافظ ہیں۔ اس لیے اگرچہ تمتع حاصل کرنے میں دونوں باہم برابر کے شریک ہیں مردوں کو خدا نے حکم دیا کہ وہ مہر ادا کریں اور نفقہ دیں پس یہ زیادتی اس زیادتی کے مقابل میں ہو اس طرح درحقیقت کوئی زیادتی اور ترجیح ہی نہیں ہوئی" (جزو ثالث تفسیر کبیر صفحہ ۸)

"دستور" کے لفظ سے فرماتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان تمام امور کو داخل کرتے ہیں جو کسی قوم و ملک یا فرقہ کی طرز معیشت اور تمدن کے لحاظ سے مناسب حال تصور کئے جا سکتے ہیں۔

درجہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی تشریح

للرجال علیھن درجۃ "عورتوں کو مردوں پر درجہ ہے۔ امام جریر طبری "درجہ" کی تفسیر میں تمام مختلف فیہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ان تمام اقوال میں اولیٰ وہی ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔ کہ درجہ جسکا ذکر خدائے کریم نے اس موقعہ پر فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عورت اگر مرد کے بعض حقوق کی ادائی میں کوتاہی کرے تو مرد کو چاہئے کہ اس سے چشم پوشی کرے اور درگذر کرے اور خود اس کے پورے پورے حقوق ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ "للرجال علیھن درجۃ" کا ذکر "لھن مثل الذی علیھن بالمعروف" کے بعد فرماتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مردوں کو اس امر کی ترغیب دی گئی ہے کہ اگر ان کے حقوق کی ادائی میں عورتوں کی جانب سے کوتاہی بھی ہو تو اس سے درگذر کر کے وہ اس درجہ کو حاصل کریں۔ جو خدا نے ایسی صورت میں ان کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے۔ کہ میں نہیں چاہتا کہ اپنی بیوی سے اپنے حقوق پورے پورے وصول کر لوں۔ تاکہ میرا درجہ قائم رہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے "وللرجال علیھن درجۃ" (ملخصاً)

آپنے دیکھا ہمارے اسلاف "درجۃ" کے کیا معنے لیتے تھے اور آج اس کے کیا معنی لئے جاتے ہیں آج درجہ و فضیلت کو مرد اپنے تجبر و تحکم و تشدد اور غصب حقوق نسوان کے لئے وجہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن سلف صالح اپنے سلوک اور برتاؤ اور حسن معاملت اور تحمل و بردباری سے یہ درجہ حاصل کرنا چاہتے تھے اور اسی پر عمل پیرا تھے۔ اور بغیر ان اوصاف کے محض مرد ہونیکی وجہ سے اپنے آپ کو اس درجہ کا

القوام المتكفل بالامر .... حافظا مالزما ای قائما علیہ بتمام الامر تمائے

(تاج العروس جلد ۹ صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر)

دوسری آیت | دوسری آیت جس کی بنا پر ادعائے فضیلت کیا جاتا ہے حسب ذیل ہے :

"ولہن مثل الذی علیہن بالمعروف وللرجال علیہن درجۃ ۱۱ و اللہ عزیز حکیم ـــــــ ہ"

(ترجمہ) عورتوں کے وہی حقوق ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں بھلائی کے ساتھ اور مردوں کو

اس مختصر و بلیغ جملہ نے عورتوں کو وہ سب کچھ دے دیا جو کوئی مذہب اور شریعت یا قانون اور ضابطہ جنس نسوان کو دے سکتا تھا

مماثلت حقوق سے وہ فرائض و واجبات مراد ہیں جو زن و شوہر بطور تبادلہ ایک دوسرے کے حق میں ادا کرتے ہیں مثلاً مرد اگر باہر کمائی کے لئے جاتا ہے تو عورت گھر میں اس کے آرام و آسائش کا انتظام کرتی ہے۔ مرد اگر چلچلاتی دھوپ اور کڑکڑاتے جاڑے میں ذریعہ معاش حاصل کرنے میں مشغول ہے تو عورت گھر میں بیٹھے ہوئے اس کے مال و متاع کی حفاظت اور اس کے بچوں کی پال پوس میں مصروف رہتی ہے۔ قرآن حکیم نے ان حقوق و واجبات کی کوئی تعیین و تخصیص نہیں کی ہے کیونکہ یہ امور ہر ملک کی معاشرت اور تمدن اور رسم و رواج اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں جس کی تخصیص تعیین اقوام و ملل کے لئے موجب تکلیف مالا یطاق ہوتی اسلام تو ہر زمانہ اور ہر قوم اور ہر ملک کی ہدایت اور اصلاح اور دنیوی و اخروی فلاح کیلئے آیا ہے۔ اس لئے اس میں ان امور کی تعین ضروری نہ تھی۔ شاہ عبد القادر علیہ الرحمہ اپنے بے نظیر ترجمہ قرآن میں "معروف" کا ترجمہ

آج کل ہم اس کو بھلا بیٹھے ہیں یا ہماری ذہنیت نے جو ہمارے ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہے۔ ہماری آنکھوں اور عقلوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس ختم المرسلین سید البشر روحی فداہ نے اس بارہ میں جو فیصلہ فرمایا ہے وہ آج ہمارے لئے قابل عبرت و بصیرت ہے۔

اسماء نامی ایک صحابیہ جو عقل و دانش اور فہم و ذکا میں نہایت مشہور و ممتاز تھیں آنحضرت صلعم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ میں عورتوں کے ایک گروہ کثیر کی جانب سے نمائندہ بن کر آئی ہوں اور ایک نہایت اہم مسئلہ میں جو ہماری صنف سے متعلق ہے آپ سے استفسار کرنا چاہتی ہوں اور یہ جو کچھ پوچھ رہی ہوں وہ انہیں کی جانب سے پوچھ رہی ہوں آپ کو خدا تعالے نے جس طرح مردوں کے پاس نبی بنا کر بھیجا ہے اسی طرح عورتوں کے بھی آپ نبی ہیں ہم آپ پر ایمان لائے اور آپ کی پیروی کی ہم عورتیں پردہ میں بیٹھنے والیاں مردوں کی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرتی ہیں اور ان کی اولاد کی پرورش اور تربیت کرتی ہیں مردوں کو جمعہ کی نماز ادا کرنے اور جنازہ میں شریک ہونے اور جہاد کرنے کی وجہ سے فضیلت دی گئی ہے جب وہ جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو ہم گھر میں بیٹھی ہوئی ان کے مال و متاع کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے اولاد کی تربیت کرتی ہیں تو کیا اے رسول اللہ ہم ان کے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہیں آنحضرت نے روئے مبارک اپنے اصحاب کی جانب پھیر کر فرمایا۔ کیا تم نے کسی عورت کو اپنے دین کے بارہ میں اس سے بہتر سوال کرتے ہوئے دیکھا۔ حاضرین نے کہا۔ نہیں یا رسول اللہ۔" پھر آپ نے اسما کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا۔ اے اسما جاؤ اور جن عورتوں کے جانب سے تم نمائندہ بن کر آئی ہو ان کو مطلع کر دو کہ تم میں سے جو عورت اپنے شوہر کے ساتھ عمدہ برتاؤ کرے اور اس کی خوشنودی حاصل کرے اور اس کی موافقت و متابعت کرے۔ تو اس کا یہ

خوب سمجھتے تھے یہ ان صحابی کی تفسیر ہے جس کو حبرالامتہ کا لقب دیا گیا اور جن کے حق میں آنحضرت صلعم نے دعا فرمائی تھی کہ "اللہم فقہہ فی الدین و علمہ التاویل"

فخر رازی کی تفسیر اس آیت کی تفسیر میں امام فخرالدین رازی اپنی مشہور تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ منافع اور لذات کا حصول جانبین میں مشترک ہے کیونکہ مقصود زوجیت سے سکون و الفت و محبت اور نسب کی حفاظت و احباب و اعوان کی کثرت ہے اور یہ تمام باتیں جانبین میں مشترک ہیں بلکہ یہ کہنا ممکن ہے کہ ان باتوں میں عورت کا حصہ زیادہ ہے پھر شوہر کے ذمہ اقسام کے حقوق زوجیت کی ذمہ داری ہے مثلاً مہر و نفقہ کی ادائی اور عورت کو خطرات و آفتوں سے بچانا اور اسکی ضرورتوں کی انجام دہی اس لئے عورت کو مرد کی خدمت میں مصروف و متوجہ رہنا زیادہ ضروری ہے۔ تاکہ شوہر کے ان تمام حقوق زائدہ کی رعایت ہو سکے اور یہ وہی بات ہے جس کے متعلق خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء"

گویا آیت "الرجال قوامون علی النساء" کی تفسیر و تشریح اس آیت میں کیگئی۔ باوجودیکہ مردوں پر زیادہ ذمہ داری عائد کیگئی لیکن عورتوں کے حقوق میں کوئی کمی نہیں کیگئی اور ان کو مساوی حقوق دیے گئے صرف بار ذمہ داری کی وجہ سے مردوں کا درجہ بڑھایا گیا جس کو وہ اسی وقت حاصل کر سکتے ہیں جب وہ اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوں۔

حضرت اسماء کا استفسار اور آنحضرت صلعم کا جواب اب ذرا اس فضیلت و درجہ کی حقیقت بھی سن لیجیے یہ سوال کچھ آجکل کا نہیں ہے بلکہ آنحضرت کے زمانہ میں بھی پیدا تھا اور اسی وقت اس کا تصفیہ بھی فرما دیا گیا تھا کیونکہ

ہو سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو کما حقہ ادا کریں۔ محض جنس مرد ہونے کی وجہ سے ان کو اسلام نے کوئی فضیلت و امتیاز نہیں دیا جس پر فخر کیا جا سکے یا جسے کوئی وجہ استحسان یا امتناع حقوق کی قرار دیا جا ۓ لیکن دیکھا جاتا ہے کہ جب کبھی حقوق نسواں کی بحث پیدا ہوتی ہے تو مردوں کی جانب سے اپنی فضیلت اور درجہ کو امتناع حقوق نسواں کے لئے بطور وجہ موجہ پیش کیا جاتا ہے اور بادشاہی و پیغمبری سے لیکر وزیر گری اور طباخی تک کی ٹھیکہ داری کا ادعا کیا جاتا ہے۔ اور آیات قرآنی کے وہ معنی بیان کئے جاتے ہیں جو سلف صالح نے نہیں لئے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ ایک عام الورود غلطی ہو گئی ہے اور اس میں اچھے اچھے اہل علم مبتلا نظر آتے ہیں۔ یہ دلائل اسقدر پارینہ اور فرسودہ ہو گئے ہیں کہ بجز تفاخر بیجا اور تعلی نازیبا کے حقیقت اور واقعیت کی لحاظ سے ان میں کوئی وزن یا قوت و زور باقی نہیں رہا ہے۔

عورت کے متعلق فرید وجدی کی رائے

ذیل میں ہم ایک مصری عالم فرید وجدی کی تصنیف "المرأة المسلمۃ" سے جو پردہ کا کٹر حامی ہے ایک اقتباس درج کرتے ہیں۔ وہ عورت کے طبعی وظائف کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"عورتکو انسانی زندگی میں نہایت عالی مرتبہ حاصل ہے اور وہ نوع بشری کی حفاظت اور بقا ہے جس میں مرد اس کا کسی طرح شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بات جسم کی ساخت اور وضع و ترکیب اور بناوٹ پر موقوف ہے۔ جو وضع و تقلید سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ فریضہ عورت کے ساتھ خاص ہے اور اس کے کئی دور ہیں جو یکے بعد دیگرے اس پر طاری ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دور کے خاص خاص لوازم ہیں جو اس سے جدا نہیں ہو سکتے ...."

...تمام باتوں کے مساوی ہے جو تم نے مردوں کے متعلق ذکر کی ہیں" یہ سنکر اسما تعلیل و تکبیر پڑھتی ہوئی
...یت شاداں و فرحاں واپس ہوئیں (استیعاب صفحہ ۶۹۱ تذکرہ اسماء)
ظاہر ہے کہ جو مرد اپنے درجہ کا لحاظ رکھے۔ عورت کے پورے پورے حقوق ادا کرے اور اگر عورت کی جانب سے
...لے حقوق کی ادائیں کوئی کوتاہی ہو تو اس سے چشم پوشی اور درگذر کرے اور اسکے آرام و آسائش اور رنج و راحت
...خیال رکھے تو وہ کونسی بدنیت اور بدنہاد عورت ہوگی جو مرد کی خوشنودی اور رضاجوئی کو اپنا فرض
...نہ سمجھے اور اسکی متابعت فرماں برداری کو اپنی زندگی کا دستور العمل نہ بنائے ہر ایک مذہب اصول اخلاق
...عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہوگا اور یہی شیوہ احسان مندی و شکر گزاری ہے جو عورت اس سے عہدہ برآ ہو تو وہ در
...میں بلحاظ اجر و ثواب جیساکہ حدیث مذکورہ بالا سے ظاہر ہے مردوں کے برابر ہوگی اور اس لئے حضرت
...ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی سے اپنے حقوق کی پوری پوری بھرپائی نہیں کرلینا چاہتا تاکہ
...میرا درجہ قائم باقی رہے"
یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ شریعت اسلامی نے کس طرح وظائف زوجیت کی تقسیم کردی اور
اس تقسیم کے لحاظ سے کس طرح اجر و ثواب میں زن و شوہر کو برابر کا حصہ دار بنادیا قدرت نے چند خاص
وظائف مرد سے متعلق کئے ہیں اور چند وظائف عورت سے نہ مرد عورت کے وظائف کو ادا کرسکتے
ہیں اور نہ عورتیں مردوں کے وظائف کو ایسی حالت میں نسبی یا صنفی درجہ و فضیلت کا سوال پیدا ہی نہیں
ہوتا۔ کیا کوئی شخص دن کو رات پر اور رات کو دن پر فضیلت دے سکتا ہے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ضروری
ہے عورت کے کمزور ہونے کی وجہ سے مرد پر جو قوی ہے شریعت نے زیادہ بوجھ لاد دیا ہے
تاکہ میزان عدل میں دونوں کے پلڑے برابر ہو جائیں مرد اسی وقت اس درجہ و فضیلت کے مستحق

کو مستقل بنانے والوں کی مثال ایسی ہے جیسی کہ کوئی پانی کے دو عنصروں آکسیجن اور ہیڈروجن کو متحد کرنے کی کوشش کرے اگر پانی کے وجود کے لئے ان دو عنصروں کا الگ ہونا اور مستغنی ہونا ممکن ہے تو مرد اور عورت کے الگ اور ایک دوسرے سے مستغنی ہونے پر بھی سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے۔

سوسائٹی پر عورت کا قوی اثر

ذیل میں ہم ایک مضمون کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں جو عرصہ ہوا مصر کے ایک نہایت فاضل روشن ضمیر عالم کے قلم سے نکلا تھا وہ کہتا ہے:- عورتیں ان طاقتور اور پوشیدہ اسباب میں سے ہیں جنکی تاثیر سوسائٹی پر ہوتی ہے عورتوں کی شرمگینی پردہ نشینی نزاکت اور لطافت کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو تم اپنی نوجوانی اور دوڑ دھوپ اور محنت اور کوشش پر مغرور مت ہو میدان جنگ میں توپوں سے آگ برسانے ملکوں اور براعظموں کی سیر و سیاحت کرنے سمندر کی تہ میں غوطہ لگانے بجلی اور بھاپ اور نیچر کی دیگر قوتوں سے کام لینے اور ان کو مسخر کرنے پر فخر مت کرو تم اپنی قوت اور شوکت سطوت اور جبروت سے عورتوں پر اپنے تئیں ترجیح مت دو۔ تم اپنے علم صنعت ایجاد اور انکشاف سے عورتوں کو مت ڈراؤ تم کیسے ہی معزز اور بلند مرتبہ ہو کیسے ہی عالم اور صناع ہو مگر یہ خوب سمجھ لو کہ تم وہی پودے ہو جن کو عورتوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تم انہی کے دل اور انہی کی زبان کی مخلوق ہو۔ اگر ان کا نازک اور کمزور دل نہ ہوتا تو تمہارا بے خوف اور طاقتور دل کہاں سے آتا ان کی نازک اور نرم انگلیاں نہ ہوتیں تو تمہارے فولادی اور مضبوط ہاتھ کہاں سے ہوتے پس عورتیں جو باورچی خانہ کے کام میں مشغول رہتی ہیں سوسائٹی پر ایسا زبردست اثر ڈالتی ہیں جو بڑے بڑے لشکروں اور سپہ سالاروں اور عالموں سے ممکن نہیں ہے

اس ہول۔ وضع حمل اور رضاعت اور تربیت کا بار اٹھانا پڑتا ہے اور جس شخص نے اس کارخانہ قدرت کو بچشم غور دیکھا ہے اس پر روشن ہو گا کہ انسان پر۔ ان میں سے ہر دو ورکے لاحق ہونے سے ایک مخصوص فریضہ عائد ہوتا ہے جس کے اچھی طرح انجام دینے پر شخصی اور نوعی کمال کا دارومدار ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس فریضہ کے حدود کی نگہداشت نہیں کیجاتی جسقدر وہ اس فریضہ کی انجام دہی سے قاصر رہتا ہے۔ اسیقدر کمال انسانی سے اس کو بُعد ہوتا جاتا ہے اور اس نسبت سے اپنی کل نوع پر وہ اپنی بے کمالی کا اثر ڈالتا ہے۔ ...."

مرد کی تکمیل بغیر عورت کے نہیں ہوسکتی

ایک دوسری جگہ یہی مصنف اس کتاب میں لکھتا ہے:۔ "خدا نے مرد اور عورت کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ ایک شخص واحد سمجھے جائیں .... مرد میں فی حد ذاتہ بہت سے نقائص ہیں جن کی تکمیل بجز عورت کے نہیں ہوسکتی اور عورت میں بہت سی نقائص ہیں جنکی تکمیل بغیر مرد کے نہیں ہوسکتی اور طرفین کے یہ نقائص اسوقت دور ہوسکتے ہیں جبکہ دونوں میں رشتہ ازدواج باندھا جائے اسوقت طبیعت اور حالات خود ان کو بتا دیتے ہیں کہ ان میں کیا خامیاں اور کمزوریاں ہیں اور کس طرح ان کو باہمی معاونت و امداد سے زائل کیا جا سکتا ہے پھر یہ دیکھنا کہ دونوں میں سے ہر ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے سے مستغنی ہے ایک ایسی بات ہے جو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ ہم کیونکر ایسی دو چیزوں کو مستقل اور مستغنی سمجھ سکتے ہیں جو محض اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ دونوں ملکر ایک چیز ہوں اور جن میں سے ہر ایک دوسرے کی محتاج ہے اور ہر ایک کا کمال بغیر دوسرے کے پورا نہیں ہوسکتا۔ ان دونوں صنف

تحریر فرمایا ہے حق یہ ہے کہ باوجود اسقدر تحقیقات اور علمی ترقی کے جو دنیا نے ان چند صدیوں میں کی ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی نے نہیں لکھا ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ضروری اقتباس درج کریں۔ شیخ فرماتے ہیں:۔

مرد کی فضیلت کی حقیقت

"چونکہ حقیقت انسانیت میں مرد اور عورت دونوں مشترک ہیں اسلئے مردوں کو اس لحاظ سے عورتوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ عالم اکبر اور انسان میں حیثیت العالمیت مشترک ہیں اس لحاظ سے عالم کو انسان پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے قرآن سے یہ ثابت ہو گیا ہے مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے بہت بڑھی ہوئی ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے "ءانتم اشد خلقا ام السماء بناها" مردوں کی فضیلت عورتوں پر اور عالم کی فضیلت انسانوں پر اگرچہ بالکل ایک ہی قسم کی ہے لیکن اکثر لوگ اسکو نہیں جانتے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ درجہ جس سے آسمان و زمین انسان پر افضل ہوئے ہیں بعینہ وہی ہے جس کے باعث مرد عورت پر افضل ہوا ہے اور وہ درجہ یہ کہ انسان آسمان و زمین کا نتیجہ اور خلاصہ ہے اور انکی قوت فاعلی کا مظہر ہے اور منفعل بلحاظ قوت انفعالی قوت فاعلی پر غالب اور اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔ ....

.... یہی حالت ہے عورت کی کہ وہ قوت انفعالی کا مظہر ہے اور مرد قوت فاعلی کا وہ لباب ہے اور جوہر لطیف ہے مردوں کا پس عورت مرد کے ان درجوں پر جو قوت فاعلی کی وجہ سے اس کو حاصل ہیں نہیں پہنچ سکتی"

عورت اور مرد کا فرق

"عورت طبیعت کے مشابہ ہے کیونکہ وہ محل انفعالی ہے اور مرد کی حالت ایسی نہیں ہے اور اسی لئے مرد کا کام صرف القائے نطفہ ہے اور رحم تکوین اور تخلیق کا محل بنایا گیا ہے اسلئے جنس اناث نوع انسان کے اعیان و اشخاص پیدا کرتی ہے کیونکہ اسمیں تکوین و تخلیق کی قابلیت ہے جسکی وجہ سے وہ انتقالات اور ترقیاں اور تبدیلیاں جو لازمۂ تخلیق ہیں بتدریج بدرجہ ظہور پذیر ہوتی ہیں حتی کہ نطفہ سے علقہ اور پھر مضغہ اور پھر انسان کامل وجود میں آتا ہے پس اسقدر وہ عورتوں سے ممتاز ہیں اور بس ...."

عوارض و احکام

اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ عوارض و احکام کی رو سے مرد

مدن اور شائستگی کو کامیابی اور ترقی کی بلندی پر پہنچ جانا یا پستی اور تباہی کے گڑھے میں پھینک دینا
ہیں کے اختیار میں ہے۔ وہ اپنا اثر اس طرح چپ چاپ ڈالتی ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا۔ اگر کوئی
حادثہ یا واقعہ ظہور میں آتا ہے اور اس کا سبب معلوم نہیں ہوتا تو اہل یورپ کہا کرتے ہیں کہ عورتوں کو ٹٹولو جس کا
مطلب یہ ہے کہ سوسائٹی کے ہر ایک واقعہ کا پوشیدہ سبب عورتوں کا وجود ہے۔ کیونکہ انکو یقین ہے
کہ وہ اسباب جو اپنا اثر سوسائٹی پر ڈالتے ہیں ان میں عورت سب سے زیادہ اثر ڈالتی ہے ....
قومی ترقی کے جسقدر اسباب ہیں انکا مدار بھی عورتوں پر ہے تنہا عورت ہی وہ بڑا سبب ہے جو خاموشی
کے ساتھ اپنا گہرا اثر سوسائٹی پر ڈالتا ہے۔ عورت ہی ہمارے طرز معیشت کا انتظام کرنے والی ہے وہ عام
اخلاق کا سرچشمہ ہے۔ وہی ہمکو دینداری اور خدا پرستی کا دودھ پلاتی ہے اگر وہ چاہے تو قوم بن جائے
اور چاہے تو بگڑ جائے ...."

شیخ اکبر کا محققانہ بیان

شاید ان خیالات اور حقایق کی نسبت یہ کہا جاوے کہ یہ جدید تعلیم اور نئی روشنی
کی پیداوار ہیں اور اس بنا پر ان کے ناقابل قبول ہونیکا فتوےٰ صادر کردیا
جائے حالانکہ حدیث شریف الحکمۃ ضالۃ المومن فاینما وجدہا فہو احق بہا کے مطابق حکمت اور عقل کی بات
خواہ وہ جدید ہو یا پرانی ہر مسلمان کو قبول کرنی چاہئے لیکن ذیل میں ہم ایک ایسے شخص کی سند پیش کرنا چاہتے
ہیں جس کی جلالت قدر اور علو مرتبت کو عام طور پر تمام مسلمان تسلیم کرتے ہیں جن کو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ
اپنے مکاتیب میں مجدد ملت کے نام سے یاد کرتے ہیں اور محدث و فقیہ شیخ عبدالوہاب شعرانی کتاب الیواقیت
والجواہر میں انکی تعریف تاثیر میں رطب اللسان ہیں۔ میری مراد حضرت شیخ محی الدین ابن عربی سے ہے
انہوں نے اپنی کتاب فتوحات مکیہ میں عورت کے متعلق ایک خاص باب لکھا ہے۔ اور جو کچھ اس میں

مرد وعورت کے مساوات

شیخ فرماتے ہیں" منجملہ اور امور کے جس کی بنا پر عورت مرد کی ہمسری کرتی ہے ایک یہ بھی ہے کہ بعض موقعوں پر وہ دو مردوں کے برابر سمجھی گئی ہے کیونکہ حاکم جب دو مردوں کی شہادت نہ ہو کوئی قطعی رائے قایم نہیں کر سکتا لیکن بعض موقعوں پر صرف ایک عورت کو دو مردوں کا قایم مقام سمجھا گیا ہے.... پس اس سے ثابت ہے کہ حکماً وہ دونوں ایک سمجھے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد یہ شعر لکھتے ہیں:۔

شعر۔ فناب الکثیر مناب القلیل — وناب القلیل مناب الکثیر

فمن شاء الحقه بالثری — ومن شاء الحقه بالاثیر

اس کے بعد تصوف و معرفت کے بعض نکات بیان کر کے فرماتے ہیں" یہ وہ کل حالتیں ہیں جن میں مرد و عورت مشترک ہیں اس کے سوا ان تمام مراتب میں حتیٰ کہ قطبیت میں بھی وہ مشترک ہیں جن جن مقامات مراتب اور صفات کو مرد حاصل کر سکتا ہے عورت ان کو بھی فائز کر سکتا ہے"

بعض وجوہ سے عورت کی برتری مرد پر

اس کے بعد بعض وجوہ مرد پر عورت کی فضیلت کے بیان کر کے جن کو بخیال اختصار نظر انداز کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"فلها درجة علی الرجال بهذا المقام فی مقابلة قوله وللرجال علیهن درجة"

اسی قسم کی ایک اور توجیہ بیان کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں "جبر القلب المرأة الذی یکسرہ من لا علم له من الرجال من الامر"

شیخ کا قول فیصل

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے پاس مرد کی فضیلت عورت پر نہ

کی رو سے کوئی فرق نہیں

و عورت دونوں مساوی ہیں خدا فرماتا ہے "ان المسلمین والمسلمات الی قولہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات" اور ایک جگہ فرماتا ہے "التائبون العابدون الحامدون السائحون" اور دوسری جگہ فرماتا ہے "تائبات عابدات سائحات" اس کے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ درجہ کمالات میں عورت و مرد دونوں برابر کے شریک ہیں البتہ اکملیت میں مرد بڑھے ہوئے ہیں اس لئے عورتوں میں کوئی رسول مبعوث نہیں ہوئے لیکن یہ ایک ایسی فضیلت ہے جو خود مردوں میں بعض بعض پر حاصل ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" "ولقد فضلنا بعض النبیین علی بعض" خدا نے تکالیف شرعیہ میں مرد اور عورت دونوں کو مشترک قرار دیا ہے عورتیں بھی اسی طرح مکلف ہیں جس طرح مرد۔ اگر عورت کسی حکم خاص سے مختص ہے تو مرد بھی کسی خاص حکم سے مختص ہے جو عورتوں سے متعلق نہیں ہوتا۔"

نکاح محبت و موافقت ہی کی بناء پر باقی رہ سکتا ہے

اس کے بعد شیخ نے ایک طول و طویل تقریر لکھی ہے اور اخیر میں فرماتے ہیں "جو محبت زن و شوہر میں پیدا کی گئی ہے وہ ان کے نکاح کو بموجب توالد و رحمت کے برقرار رکھنے والی ہے اور یہ رحمت نام ہے زن و شوہر میں سے ہر ایک کے اس رجحان و میلان قلبی کا جس کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کی جانب مائل و متوجہ رہتا ہے" اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیخ بھی رشتہ نکاح کو باقی رکھنے والی شئے محبت و الفت کو قرار دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے اپنے گزشتہ مضمون میں آیات قرآنی سے جن میں غرض نکاح بیان کی گئی ہے ثابت کیا ہے۔

کا اس پر عمل بھی تھا۔ احادیث کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت کس طرح اپنی ازدواج سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے انکی تیز و تند گفتگو کو انگیز فرماتے تھے۔ صحابہ کو اپنی بیویوں کے ساتھ حسن معاشرت اور نرمی کے برتاؤ کی تاکید فرماتے تھے حتی کہ حجۃ الوداع اور زمانہ وفات میں بھی آپ نے صنف لطیف کو فراموش نہیں فرمایا اور ان کے متعلق مردوں کو حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔

ارشادات نبوی حضرت عائشہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا "مومن کا کمال ایمان یہ ہے کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں اور وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے" حضرت ابوہریرہ روایت فرماتے ہیں " مومنین کا کمال ایمان یہ ہے کہ ان کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں بہتر وہی ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہتر ہوں" حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا "اگر کسی کے لڑکی پیدا ہو اور وہ اس کو زندہ دفن نہ کرے جیسا کہ جاہلیت میں رواج تھا اور اس کی اہانت نہ کرے اور لڑکوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ اوس کو جنت میں داخل کرے گا" (رواہ ابوداؤد)

مذکورہ بالا بیان سے یہ اچھی طرح ظاہر ہے کہ اسلام نے عورت کی عزت اور حرمت اور اس کی اہمیت کو بڑھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور اس کو اس درجہ پر پہنچا دیا جس پر باوجود تہذیب و تمدن کے ترقی کے یورپ نہ پہنچا سکا اور ظاہری اور نمائشی جو کوششیں یورپ میں عورت کی آزادی اور عزت و حرمت کی ہوئی ہیں اس کی وجہ سے دن بدن صفات نسوانی سے محروم ہوتی جاتی ہیں اور اس پر ذرائع معاش کے حصول کا اس قدر سنگین بار پڑا ہے کہ وہ دن بدن ان فرائض کو جو بحیثیت عورت ہونے کے فطرت نے اس کے ذمہ عائد کئے ہیں ادا کرنے سے قاصر ہوتی جاتی ہیں جس کی وجہ سے نظام معاشرت میں ابتری پیدا ہو گئی ہے اور آج یورپ کو اپنے نقطہ نظر سے

کل الوجوہ مسلم نہیں ہے اور اس قسم کی فضیلت جتانے کو جس کے مرتکب اکثر حضرات ہوتے ہیں۔ وہ لاعلمی اور
جہالت پر مبنی سمجھتے ہیں۔ اخیر میں قول فیصل یہ تحریر فرماتے ہیں:-

"واما تحقیق ھذہ المسئلہ فما یعرف ذلک الا من مرتبۃ الطبیعۃ من الامر
الالٰھی فان المراۃ من الرجل بمنزلۃ الطبیعۃ من الامر الالٰھی لان المراۃ محل ظھور
اعیان الاجسام فیھا وتکون وعنھا ظھرت فامر بلا طبیعۃ لایکون وطبیعۃ بالامر
لاتکون فالکون متوقف علی الامرین... فمن عرف مرتبۃ الطبیعۃ عرف مرتبۃ المراۃ
ومن عرف الامر الالٰھی فقد عرف مرتبۃ الرجل فان الموجودات بما سوی اللہ۔
متوقف وجودھا علی ھاتین الحقیقتین غیر ان ھذہ الحقیقۃ تخفی وتدق بحیثیت
یجعلھا انبیاءھا من العقول ولا تشتبھا فی العالم البسیط وتشتبھا فی العالم المرکب فلذلک
لجھلھا بمرتبتھا کما جھلت مرتبۃ المراۃ مع تنبیہ الشارع علی رتبتھا بقولہ صلی علیہ و
سلم ان النساء شقائق الرجال فالامر بینھما یکون علوا وسفلا"

اسلامی احکام عورت کی حرمت اور حفاظت کے متعلق

ایلا، ظہار اور لعان کے مسائل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد کی چیرہ دستیوں
سے عورت کو بچانے اور اسکی عزت و حرمت کو برقرار رکھنے کے لئے ہر ایک
ممکن کوشش کی ہے اسلام نے نہ صرف تعلقات ازدواجی میں عورت
کی عزت و حرمت کا لحاظ رکھا ہے بلکہ سوسائٹی کے معاشرتی قوانین میں بھی اسکا کافی لحاظ رکھا گیا ہے
چنانچہ قذف کا مسئلہ جس کے متعلق خود قرآن کریم میں صراحت ہے اس امر کا بین ثبوت ہے۔

آنحضرت صلعم کا طرز عمل

یہ نہ صرف احکام ہی احکام سے تھے بلکہ آنحضرت صلعم اور صحابہ کرام اور سلف

ان سے ملنے کے لئے ایک یورپ کا سیاح آیا جب اس کے ساتھ وہ مسجد میں جانے لگے تو وہاں اس نے ایک لڑکی کو بھی دیکھا اور حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ کیا عورتیں بھی مسجد میں آسکتی ہیں؟ مفتی صاحب نے کہا اس میں تعجب کی کونسی بات ہے؟" اس نے کہا "ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب اسلام میں عورتوں کی روح نہیں ہوتی اور ان پر عبادت فرض نہیں ہے"۔ اس پر مفتی صاحب نے اس کے خیال کی تردید کی اور آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے بتایا کہ مذہب اسلام پر یہ بالکل غلط اتہام ہے۔ مفتی صاحب اس واقعہ کو ذکر کر کے لکھتے ہیں "دیکھو ہم اپنی موجودہ حالت کی وجہ سے اپنے دین پر محبت ہو گئے ہیں"

سچ کہا ہے کسی نے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ❊ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

حقوق نسواں کے متعلق مفتی موصوف کی کوششیں مفتی صاحب ہمارے زمانہ میں پہلے عالم ہیں جنہوں نے ان مظالم کے خلاف جو عورتوں پر مردوں کے ہاتھوں دنیائے اسلام میں برپا ہیں اپنی آواز بلند کی جب وہ مصر کے محاکم شرعیہ کے صدر تھے تو انہوں نے اپنی گورنمنٹ کے سامنے ان حالات کے متعلق ایک رپورٹ پیش کی جس میں لکھتے ہیں:-

"میں اس کی شکایت بلند آواز سے کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں بہت سے مفلس آدمی کئی کئی شادیاں کر لیتے ہیں کسی کے پاس دو بیویاں ہیں کسی کے پاس تین اور کسی کے پاس چار اور ان کو نفقہ دینے کی قدرت نہیں رکھتے اور رات دن ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان نفقہ اور دیگر حقوق کے زوجیت کے بارہ میں جھگڑے اٹھا کرتے ہیں مگر وہ اپنی بیویوں میں سے کسی کو بھی طلاق نہیں دیتے نیز ان عورتوں اور ان کی اولاد کے بارہ میں ہمیشہ ہنگامے برپا رہتے ہیں لہذا شوہر اور بیویاں عدالتی

بدلنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ جرمنی میں ہٹلر نے حالیہ احکام عورتوں کے متعلق جو نافذ کئے ہیں اُس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

مفتی محمد عبدہ کے خیالات

مفتی محمد عبدہ مصر کے مشہور عالم نے اپنی تفسیر میں آیات مذکور الصدر کے قریب قریب وہی معنی بیان کئے ہیں جس کو ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"۔۔۔۔۔ مرد و عورت حقوق اور اعمال میں تماثل ہیں جیسا کہ وہ ذات و صفات احساس ۔ شعور ۔ اور عقل میں تماثل ہیں مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک انسان کامل ہے عقل و ہوش رکھتا ہے اپنے مصالح پر غور کر سکتا ہے اپنے پہلو میں دل رکھتا ہے جو ملایم اور غیر ملایم باتوں پر خوش و ناخوش ہو سکتا ہے۔ اس لئے انصاف اس امر کا مقتضی نہیں ہے کہ ان دونوں صنفوں میں سے کوئی دوسرے پر تحکم کرے یا لونڈی غلام بنا کر ذلیل کرے یا اپنے کاروبار میں اس سے نامناسب خدمت لے خاص کر عقد زوجیت اور حیات مشترک ہیں داخل ہونے کے بعد جو اس وقت تک مسعود مبارک نہیں ہو سکتی جب تک میاں بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کا احترام نہ کرے اور اس کے حقوق بجا نہ لائے ۔۔۔۔۔۔۔ اب اہل یورپ جن کے تمدن کو عورتوں کا بلند رتبہ کرنے میں ہماری شریعت سے کوئی نسبت نہیں ہے ہم پر فخر کرنے لگے ہیں بلکہ ہم کو عورتوں کے معاملہ میں وحشی سمجھتے ہیں اور ان میں کے وہ لوگ جو اسلام سے ناواقف ہیں بیان کرتے ہیں کہ ہم آجکل جس حالت میں ہیں وہ ہمارے دین کا نتیجہ ہے"

ایک قابل عبرت واقعہ

اس کے بعد مفتی صاحب اپنا ایک ذاتی واقعہ بیان کرتے ہیں۔

گو مصنف مذکور کے خیالات سے جو اس نے اپنی تصنیف میں آزادی نسوان کے متعلق ظاہر کئے ہیں ہم کو کلیتًا
اتفاق نہ ہو۔ مگر سطور بالا میں اس نے جن امور کا اظہار کیا ہے۔ کیا ان کی وقعیت سے کسی کو انکار
ہو سکتا ہے کیا ہندوستان میں علی العموم اسی قسم کی شادیاں نہیں ہوتیں بلکہ بعض مواقع پہ لڑکیوں
کی شادی ان کے خلاف مرضی نہیں کر دیجاتی اور کیا ایسی حالت میں انکو اس امر کا حق نہ دینا کہ اگر وہ
اپنے شوہر سے ناراض ہوں تو اس سے جدائی اختیار کر سکیں ان پر ظلم شدید نہ ہوگا اور کیا ایک ایسا
مذہب جو رحمت کاملہ کا نمونہ اور عدل انصاف اور مساوات کا حامی ہے ایسے کمزور اور ضعیف فرقہ پر تشدد اور جبر و بیداد کا روادار ہوگا

موجودہ حالات کا تقاضا

کیا ایسے واقعات نظر عام پر نہیں آچکے کہ لڑکیوں نے جبکہ انکو اپنے شوہروں
کے دست تظلم سے بچنے کیلئے نجات کا کوئی راستہ نہ ملسکا تو انہوں نے راہ ارتداد
اختیار کر لی کسی نے عیسائی مشن کے دامن میں پناہ لی اور کسی نے آریاؤں کے آشرم کا سہارا ڈھونڈا
خود ہماری ریاست میں بھی اس قسم کے کئی ایک واقعہ ظہور پذیر ہو چکے ہیں کہا جاتا ہے کہ سات کروڑ مسلمانوں
میں اگر ایسے چند واقعات وقوع میں آئیں تو ناقابل لحاظ ہیں تو کیا اس دن کا انتظار کیا جا رہا ہے
جبکہ بجائے "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کے "یخرجون من دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آئے

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد ۔ ان کان فی القلب اسلام و ایمان

یہ وقت نہیں ہے کہ ہم حنفیت یا شافعیت کی بحثوں کو چھیڑیں جبکہ ہماری غلط عملیوں اور بد عملیوں کی وجہ
سے دین اسلام میں رخنہ پیدا ہو رہا ہے۔ اور مذہب میں فتنہ برپا ہوتا جا رہا ہے۔ اگر حنفی یہ کہیں کہ اس فتنے کے
رفع کرنے میں ہماری حنفیت پر آنچ نہ آئے اور شافعی یہ کہیں کہ ہماری شافعیت ہاتھ سے نہ جانے پائے
حنفی اپنے فقہ شافعیوں کے سر منڈھیں اور شافعی اپنے مسائل حنفیوں کے گلے چپیں اور یہی جھگڑے ہیں غرض تمام

باندھی ہوئی حدوں کو قایم نہیں رکھ سکتے اور اس کا جو نقصان مذہب اور اہل مذہب کو پہنچ سکتا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔" مفتی صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ لاحقہ ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ مالکی سے دس دفعات مرتب کر کے بشکل قانون اپنی گورنمنٹ کے پاس پیش کر دے اور جہاں تک ہم کو معلوم ہے اسی قانون پر وہاں عمل ہو رہا ہے۔

موجودہ حالات کے متعلق ایک مصری عالم کی رائے

مصر کا ایک فاضل اپنی تصنیف میں مسلمان عورتوں کی موجودہ حالت کے متعلق لکھتا ہے:۔

" وہ عورت کیونکر آزاد خیال کیجا سکتی ہے جس کو اس کا باپ مثل جانوروں کے گھر سے باہر دھکیل دیتا ہے اور ایسے شوہر کے سپرد کر دیتا ہے جس کو وہ نہیں جانتی اور نہ اس کے حالات سے واقفیت پیدا کر سکتی ہے کہ اس کی نسبت کوئی رائے دے سکے۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ہر طبقہ میں لوگ اسطرح شادیاں کرتے ہیں اور عورتوں سے ایسے عظیم الشان کام میں جس پر اون کی آیندہ خوش نصیبی یا بدبختی کا دارومدار ہے۔ کوئی رائے نہیں لیجاتی۔ اس موقعہ پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس طرح عورتیں اپنے شوہر کی نسبت شادی سے پہلے کچھ نہیں جان سکتیں اسیطرح مرد بھی اپنے ہونیوالی بیویوں کے حالات سے مطلق واقف نہیں ہوتے۔ کیونکہ ہر مرد کو اس بات کی اجازت ہے کہ اگر بیوی ناپسند ہو تو اس کو طلاق دیدے یا دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی کر سکے۔ برخلاف اس کے اگر عورت کو شوہر ایسا ملے جسکے ساتھ زندگی بسر کرنا ناگوار ہو تو اس کے لئے نجات کا کوئی طریقہ نہیں پس عورتوں کا ایسے مردوں کا ساتھ منسوب ہونا جن کے حالات سے وہ مطلق واقف نہیں ہیں اور ناپسند ہونے کی صورت میں ان سے نجات پا سکنا غلامی نہیں تو اور کیا ہے۔"

کرے کہ باوجود انتہائی مجبوری اور ظلم و ستم کے اس کے لئے مخلصی کی کوئی صورت نہ رکھے واقعہ یہ ہے کہ فقہ حنفی کی تعبیر میں غلطی کیجارہی ہے اور بعض مصنفین کے ابہام اور اجمال یا عدم تصریح کی وجہ سے ہماری موجودہ ذہنیت نے جو عورتوں کی نسبت ہم نے قائم کر رکھی ہے حنفی فقہ کو بدنام کر دیا ہے۔ ایسے ہی طرفداروں اور جانب داروں کے متعلق کہا گیا ہے کہ "خدا میرے دوستوں سے مجھ کو بچائے"!

جہاں تک حنفی فقہ کی کتابوں پر غور کرنے سے راقم نے اس مسئلہ کو سمجھا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ جب تک عورت کی طرف سے مطالبہ خلع یا طلاق نہ ہو اس وقت تک عدم انفاق وغیرہ اشکال میں ائمہ احناف تفریق کو جائز نہیں سمجھتے! ورنہ یہ بجائے خود بالکل صحیح اصول ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے لیکن جب عورت یہ ظاہر اور ثابت کردے کہ معاشرت بالمعروف نہیں ہو سکتی اور حدود اللہ قائم نہیں رکھے جا سکتے اور اس بنا پر مطالبہ طلاق یا خلع کرے تو کسی حنفی کتاب میں یہ نہیں لکھا ہے کہ رشتہ نکاح کو عورت کے علی الرغم باقی رکھا جائیگا احناف یہ کہتے ہیں کہ قاضی طلاق پر مرد کو مجبور کریگا یا خلع کرادیگا اور اسی بنا پر ان کے ہاں "طلاق مکرہ" یعنی جبریہ طلاق پڑجاتی ہے۔ دوسرے ائمہ کے نزدیک قاضی کو بطور خود تفریق کرا دینے کا اختیار ہے۔ نتیجتہً اور اصولاً کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور نفس مسئلہ پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

راقم نے اس خصوص میں جو کچھ لکھا ہے وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی پر استناد کر کے لکھا ہے اس میں اجتہاد کی کوئی بات ہی نہیں جہاں نص صریح نہ ہو وہاں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اگر کسی ضرورت لاحقہ کیلئے اجتہاد کیا بھی جائے تو اس میں قباحت ہی کیا ہے علماء نے ہر زمانہ میں اجتہاد سے کام لیا ہے اور آیندہ بھی اس سے کام لینا پڑیگا امر حق کے اظہار سے علماء کا محض اس وجہ سے سکوت اختیار کرنا کہ لوگ انکی بات نہ مانینگے ایک تعجب خیز امر ہے۔ علماء کی شان تو یہ ہونی چاہئے کہ وہ بلاخوف لومتہ لائم احقاق حق اور اظہار حق و اعلان حق

ہو جائے اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکے تو اس سے بڑھ کر ہماری نادانی اور ناعاقبت اندیشی اور کیا ہو گی کہ ہم فروعات میں پڑ کر اصل مطلب کو ہاتوں سے کھو دیں گے کیوں نہ ہم "واعتصموا بحبل اللّٰہ جمیعا ولا تفرقوا فیہ" پر عمل کر کے اسلام کی رسی کو مضبوط تھامیں مذاہب کا اختلاف تو ہمارے لئے باعث رحمت ہے نہ موجب زحمت۔ تمام مذاہب اور فرقوں کو باہم متفق اور یکدل اور یک رائے اور یک جہت ہو کر اس فتنہ کا انسداد کرنا چاہئے اور ہمارے اسلاف نے ایسے موقعوں پر ہی کہا ہے

ماذا التقاطع فی الاسلام بینکم　　　　وانتم یا عباد اللّٰہ اخوان

موجودہ عمل درآمد خلاف احکام اسلام ہے

راقم کے گذشتہ مضمون کو جن اصحاب نے بغور مطالعہ کیا ہے وہ معلوم کریں گے کہ نفس مسئلہ میں خصوص شرعیہ بالکل صاف اور واضح ہیں ائمہ کے درمیان جو کچھ اختلاف ہے وہ طریقہ کارروائی اور ضابطہ کا ہے۔ کسی امام نے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ اگر معاشرت بالمعروف نہ ہو سکتی ہو اور حدود اللّٰہ قایم نہ رکھے جا سکتے ہوں تو شوہر عورت کو جبراً قہراً اپنے حبالۂ عقد میں رکھے گا اور شریعت نے اس کو ایسا اختیار دیا ہے یا اس کو اس کا مجاز گردانا ہے نصوص قرآن کی موجودگی میں ائمہ اعلام کی جانب ایسا انتساب ایک بیجا جرات اور ناقابل معافی جسارت ہو گی اور اہل علم کیلئے ایک مضحکہ خیز بات۔ اگر موجودہ عمل درآمد اس نص شرعی کے خلاف ہے تو وہ غلط اور اسلام پر تہمت اور بہتان عظیم ہے۔

فقہ حنفی کی تعبیر غلط کیجا رہی ہے

اس امر کو عقل سلیم کسی طرح قبول نہیں کر سکتی کہ ایک طرف تو فقہ حنفی "تفویض طلاق" اور "امر بالید" کے مسائل سے عورت کو اسقدر آزادی دے کہ وہ طلاق کی مالک اور مختار و مجاز ہو جائے۔ اور دوسری طرف اسقدر تشدد و اختیار

یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی یہ مخالفت بعینہ ایسی ہے جیسی کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ کے فارسی ترجمہ قرآن کی علمائے وقت کی جانب سے کیگئی تھی یا جب سلطان محمود نے اپنی فوج میں یورپ کے جدید آلات حرب اور ساز و سامان کو رواج دینا چاہا تھا تو اس پر کفر کا فتوی لگایا گیا تھا یا سر سید نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کی اشاعت پر زور دیا تھا تو مرتد و ملحد کا خطاب پایا تھا اس قسم کے اصلاحی امور کی مخالفت نے مسلمانوں کی قومی ترقی میں بڑی بڑی رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ اور اس کی وجہ سے خود گروہ علماء کی وقعت و اعتبار کو بھی بہت صدمہ پہونچا ہے۔

مسلمانوں کے لئے ہندوستان کی دیگر اقوام کا طرز عمل قابل عبرت و بصیرت ہے

اس موقعہ پر ہمکو ہندوستان کے دیگر اقوام سے عبرت و بصیرت حاصل کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح جنس لطیف کی وقعت و اعتبار کو بڑھانے اور کمزور فرقہ پر جو مظالم اور مصائب ٹوٹتے ہیں ان کے انسداد کے لئے قانون طلاق نافذ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حال ہی میں بڑودہ میں ایک اس طرح کا قانون نافذ ہو چکا ہے اور لجسلیٹو اسمبلی میں اس وقت ایک مسودہ قانون پیش ہے اور اس میں وہی احکام ہیں جو آج سے تیرہ سو برس قبل اسلام نے عورت کے حقوق کی حفاظت کے لئے معہ شئے زاید اپنی دائمی شریعت میں دیدئے ہیں لیکن ہم اپنی کج فہمی اور غلط تعبیر سے اسلامی تعلیم اور شریعت اسلامی کی روح کو مردہ کر چکے ہیں اور لفظی اور فروعی نزاعوں میں پڑے ہوئے ہیں اور نہیں چاہتے کہ صحیح اسلامی ہدایات کی روشنی میں موجودہ خرابیوں مصیبتوں اور دشواریوں کا ارتفاع کیا جائے۔ یہ کون کہتا ہے کہ اب عورتوں کو ایسی آزادی دیں جو اسلامی روایات

پر مبادرت کریں اور کلمہ حق کے قبول کرنے سے خواہ اسکا قائل کوئی عالم ہو یا مجھ جیسا عامی ابا نہ کریں۔

موجودہ عملدرآمد کو توڑنے کیلئے قانون کی ضرورت

حضرت الاستاد مولانا مولوی عبدالقدیر صاحب دامت فیوضہم و برکاتہم پروفیسر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ کو خدا جزائے خیر دے کہ آپ نے اپنے فتوی کے ذریعہ جو عورتوں کو خلع کا حق اسلام میں اس عنوان سے مجموعہ تحقیقات علیہ جامعہ مذکور میں شایع ہوا ہے اس مسئلہ پر روشنی ڈال کر اور احقاق حق فرما کر مسلمانوں پر احسان عظیم فرمایا ہے اور اس فتوی کی بنا پر جو دستیل کمیٹی سے دستکارِ نظام) جو فیصلہ صادر ہوا ہے وہ زیادہ تر انہی وجوہ اور دلائل پر مبنی ہے جن سے مولانا نے اپنے فتوی میں بحث کی ہے۔ مگر چونکہ فیصلہ مذکور چند خاص حالات اور واقعات سے متعلق ہے جسکا ہر مقدمہ پر منطبق ہونا ضروری نہیں ہے اس لئے عام طور پر اس سے مثل قانون کے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اور نہ نظیر مذکور کو قانون کی حیثیت حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ اعتراض کہ فقہ کے مسائل کو قانونی دفعات کی شکل کیوں دیجائے ایک ایسی بات ہے جیسی یہ کہ قرآن و حدیث کے مسایل کو فقہی ابواب و فصول میں کیوں تقسیم کیا جائے۔ اگر قرآن و حدیث کے مسائل میں ایسی ترتیب جائز اور ممکن ہے تو فقہی مسائل کی شکل میں یہ تبدیلی بغرض سہولت و نفع عامہ لازم اور ضروری ہے۔ اس طرح کی تبدیلی سے حقیقت نہیں بدل سکتی البتہ یہ ضرور ہے کہ فقہ کی اجارہ داری میں ضرور فرق آجائیگا اور عامتہ الناس جو عربی سے ناواقف ہیں ان مسائل کو بآسانی سمجھ سکیں گے اور ان پر بغیر کسی مفتی یا فقیہ یا شارح کے استصواب و استشارہ و استفتا کے عمل پیرا ہو سکیں گے۔ آج سے پچاس سال قبل سلطان عبدالحمید خاں سلطان ترکی کے عہد حکومت میں علما اسلام کی ایک کمیٹی نے فقہ حنفی کے مسائل کو قانونی دفعات کی شکل میں ترتیب دیکر مجلۃ الاحکام کے نام سے ایک مجموعہ شایع کر دیا ہے اس لئے بھی

مسلمہ و امدادی سرکار عالی
دورِ عثمانی کا سب سے بڑا اور پہلا کارخانہ
جلد سازی
موسوم
محبوبیہ کارخانہ جلد سازی
بہ مشین اعلیٰ اوزارات بہترین ماہر فن کے ذریعہ ہمہ اقسام کی جلدیں وغیرہ
نہایت پائدار بہ پابندیٔ وعدہ بہ اجرت واجبی تیار کیے جاتے ہیں۔
شیخ محبوب قریشی زاہد مہتمم کارخانہ

اور شرعی آئین کے خلاف ہو۔ یا اب اس بارہ میں یورپ کا طرز تمدن اختیار کریں ایسے قانون
کی بناء پر اپنا قیاس "قیاس مع الفارق ہوگا"۔ لا تظنوا ظن السوء ان بعض الظن اثم۔
اس قانون کا نفاذ محض ان حقوق کے مطالبہ میں ہے جو اسلام نے جنس نسوان کو عطا کئے ہیں
اور اس کے ذریعہ سے اس کمزور فرقہ کی ان مظالم سے حفاظت و حمایت مقصود ہے جو خلاف
احکام شرع عموماً ہیڈ ڈھائے جاتے ہیں جس کی وجہ سے سیکڑوں معاشرتی خرابیاں پیدا
ہو گئی ہیں۔

ان اردت الا الاصلاح وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس

چارمینار حیدرآباد دکن

باہتمام

میر محمود علی

سنہ ۱۲۵۳ف